درس و تدریس کے آداب

اردو ترجمہ

تذکرة السامع والمتکلم فی أدب العالم والمتعلم
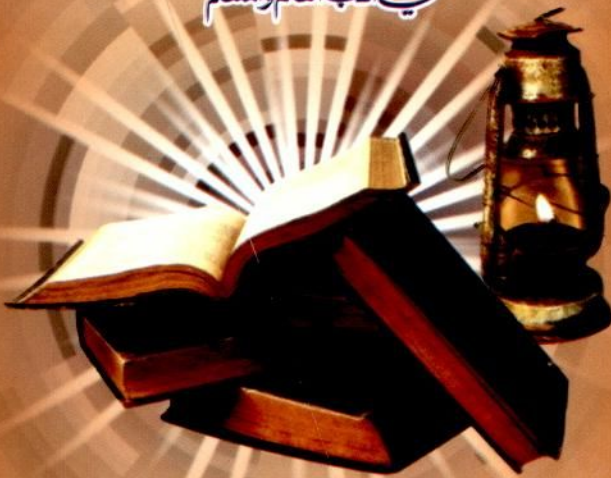
مؤلّف

الإمام بدر الدین ابراهیم بن سعد الله بن جماعة الکنانی

ترجمہ

درس و تدریس کے آداب

درس و تدریس کے آداب

اردو ترجمہ

تذكرة السامع والمتكلم
في أدب العالم والمتعلم

مؤلف

الإمام بدر الدين ابراهيم بن سعد الله بن جماعة الكناني

تحقیق

حسان عبد المنان

ترجمہ

لجنة المصنفين لاہور

مولانا انس جمالی صاحب

مولانا خالد محمود صاحب

بیت العلوم

۲۰- نابھہ روڈ، پرانی انارکلی لاہور۔ فون ۳۵۲۲۴۸۳

کتاب — درس وتدریس کے آداب
اردو ترجمہ — تذكرة السامع و المتكلم في أدب العالم و المتعلم
مؤلف — الامام بدر الدین ابراهیم بن سعد الله بن جماعة الكناني
تحقیق — حسان عبدالمنان
مترجم — لجنۃ المصنفین
باہتمام — محمد ناظم اشرف
ناشر — بیت العلوم۔۲۰ نابھہ روڈ، چوک پرانی انارکلی، لاہور

﴿ملنے کے پتے﴾

بیت العلوم = ۲۰ نابھہ روڈ، پرانی انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = ۱۹۰ انارکلی، لاہور
ادارہ اسلامیات = موہن روڈ چوک اردو بازار، کراچی
دارالاشاعت = اردو بازار کراچی نمبر۱
بیت القرآن = اردو بازار کراچی نمبر۱
بیت الکتب = گلشن اقبال، کراچی
ادارۃ المعارف = ڈاک خانہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ دارالعلوم = جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر۱۴
مکتبہ سید احمد شہید = الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
مکتبہ رحمانیہ = غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

﴿فہرست﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿تقدیم﴾

﴿اِنَّ الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیّئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضلّ لہ و من یُضللہ فلا ھادی لہ، و اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھد ان محمّدًا عبدہ و رسولہ.

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران:۱۰۲) یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (النساء:۱) "یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (الاحزاب:۷۱)﴾

امابعد!

امام ابن جماعہ الکنانیؒ کی یہ کتاب جمع وترتیب، اختصار، باب بندی اور حسنِ تقسیم کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ آپؒ نے اس کتاب میں شاگرد کا اپنے استاذ اور کتاب سے تعلق اور ہر ایک کی ذمہ داریوں پر سیر حاصل بحث کی ہے، اس میں علم وادب، حسنِ خلق اور علمِ سلوک وتصوف کا جامع تذکرہ ہے، نیز یہ کتاب ہر زمانہ کے طالب علموں کے لئے اہم ترین کتابوں میں سے ایک ہے، میں خود زمانہء طالب علمی میں اس کے

پڑھنے کی آرزو کیا کرتا تھا مگر میری یہ آرزو پوری نہ ہو سکی، اور تجربات کے بعد ہی اس کتاب کی بعض اہم باتوں سے واقف ہوا۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ ضرورت کے وقت جس چیز سے میں محروم رہا طلبائے علم اس سے محروم نہ رہیں گے۔

یہ کتاب اصل میں ان تجربات کا نچوڑ ہے جو مؤلفِ کتاب کو دوران طالب علمی اور زمانہء تدریس میں حاصل ہوئے۔ مؤلف مرحوم نے مدرسہ ''الکاملیة'' میں تعلیم حاصل کی اور تدریسی مشاغل ''الکاملیة''، ''الناصریة''، ''الصالحة''، ''جامع ابن طولون''، امام شافعیؒ سے منسوب مدرسہ اور دیگر مدارسِ اسلامیہ میں سرانجام دیں۔ آپؒ بڑی ذکاوت وذہانت کے مالک تھے، چنانچہ آپؒ نے ایسے اصول وضوابط وضع کیے کہ ان کا ذکر اور ان کی وضاحت کی مثال سابق میں نہیں ملتی۔

اس سے قبل خطیب کی کتاب ''الجامع فی آداب الراوی والسامع'' اور اس جیسی دیگر کتابیں موجود تھیں مگر دونوں کی خصوصیات اور خوبیاں الگ الگ ہیں۔ اگرچہ ان میں قدرے یگانگت موجود ہے۔ علاوہ ازیں مؤلفؒ نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ ان کے ذہنی وفکری نتائج کا ثمرہ ہے۔ نیز مؤلفِ کتاب نے جو اسلوبِ نگارش اس کتاب میں اختیار کیا ہے وہی اسلوب ان کی دیگر تصانیف میں نظر آتا ہے۔ جیسے ''التدبیر'' وغیرہ

مؤلف مرحوم اپنی تحریر میں ایسے جامع الفاظ لاتے ہیں کہ اگر ان کی وضاحت کی جائے تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں۔ اس لیے کہ آپؒ کی عبارات قانونی طرز کی ہوتی ہیں۔ ہر لکھنے والے کا ایک طرز اور اسلوبِ تحریر ہوتا ہے جس سے اس کی شخصیت جھلکتی ہے۔

یہ کتاب ازروئے متن وہی ہے جسے سید محمد ہاشم ندوی نے ہندوستان میں ۱۳۵۴ھ کو طبع کرایا تھا۔ میں نے مندرجہ ذیل امور کا اضافہ کیا ہے:

(۱) میں نے اس کتاب میں بعض جگہ تصحیح وترتیب کے کام کا اضافہ کیا ہے۔

(۲) سابقہ طباعت میں عنوانات موجود نہ تھے میں نے اس میں اس امر کا بھی اہتمام کیا ہے۔

(۳) بعض احادیث و آثار کی تخریج کی ہے اور ان کے صحیح یا ضعیف ہونے کی نشاندہی بھی کردی ہے۔

(۴) دیگر نسخوں میں بعض مقامات پر اصل الفاظ میں کچھ فرق آرہا تھا میں نے اس کی اصلاح و درستگی کردی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ میرے نیک ارادوں کو پورا کرتے ہوئے مجھے نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔

حسان عبدالمنان
۱۹/ ذی القعدۃ/ ۱۴۲۴ھ
۱۲/ کانون الثانی/ ۲۰۰۴ء

﴿مؤلفؒ کے حالاتِ زندگی﴾

نام ونسب

امام عالم قاضی القضاۃ ابوعبداللہ بدر الدین محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ بن جماعۃ بن علی بن جماعۃ بن حازم بن صخر الکنانی الحموی الشافعی۔

آپ ماہِ ربیع الثانی ۶۳۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ۶۴۶ھ میں رشید بن مسلمہؒ، مکی بن علانؒ، اسماعیل العراقیؒ اور صفی البراذعیؒ وغیرہ نے آپ کو سندِ اجازت عطا فرمائی۔ آپؒ نے ۶۵۰ھ میں ان شیوخ سے حدیث کا سماع کیا: شیخ الشیوخ انصاریؒ، مصر میں شیخ رضی بن برھانؒ، شیخ رشید العطارؒ، شیخ اسماعیل بن عزّونؒ اور دمشق میں شیخ ابن ابی الیسر وغیرہ۔ نیز آپؒ کو ابن الازرقؒ، نجیبؒ، معین الدمشقیؒ، ابن ابی عمرؒ، تاج القسطلانی، ابن مالکؒ اور مجد بن دقیق العیدؒ سے بھی سماع حاصل ہے۔ آپ نے علوم وفنون میں کامل دستگاہ حاصل کی، دمشق میں ''القیمریة'' میں تدریس کا کام کیا، پھر ۶۸۷ھ کو ''قدس'' کے عہدۂ قضاء پر فائز ہوئے، پھر ابن بنت الاعزّ کی جگہ رمضان ۶۹۰ھ میں دیارِ مصر کے قاضی بنا دیئے گئے، یہاں آپؒ نے اشرف کے قتل ہونے تک خوب کارنامے سرانجام دیئے، پھر ابن بنت الاعز دوبارہ عہدۂ قضاء پر بحال ہو گئے اور آپؒ معزول کر دیئے گئے، کچھ تدریسی مشاغل جاری رہے، پھر ۶۹۳ھ کو الحوتی کے بعد شام کے عہدۂ قضاء پر مامور ہوئے، وہاں آپؒ نے قضاء کے ساتھ خطابت کا چارج بھی سنبھالا جو شرف الدین المقدسیؒ کی وفات کے بعد خالی ہو گیا تھا جن کی وفات رمضان کے آخر میں ۶۹۴ھ کو ہوئی۔ پھر آپؒ شیوخِ تدریس کے سربراہ مقرر ہوئے، بعد ازاں

ابن دقیق العید کے بعد ایک بار پھر دیارِ مصر کے قاضی مقرر ہوئے، چنانچہ اہلِ حل وعقد کی طرف سے مطالبہ ہوا تو آپ نے ۱۹ صفر کو دمشق سے رختِ سفر باندھا اور ربیع الاول کے شروع میں وہاں پہنچے، اور ۴ ربیع الاول کو دیارِ مصر میں قضاءِ شافعیہ کے خلعت سے نوازے گئے، آپ اس ذمہ داری کو نبھاتے رہے یہاں تک کہ ناصر، کرک سے واپس آئے۔ پھر ۷۰۹ھ کو اس عہدہ سے برطرف ہو گئے۔ اور اپنی جگہ اپنے نائب جمال الدین الزرعی کو مقرر کیا، جنہوں نے ایک سال اور چند ماہ تک اس ذمہ داری کو نبھایا۔ ابن جماعہ صفر ۷۱۰ھ کو مدرسہ صالحیہ، ناصریہ، جامع ابن طولون، کاملیہ اور مدرسہ شافعی میں دوبارہ تدریسی فرائض انجام دینے لگے۔ پھر جمادی الاولی ۷۲۷ھ کو مستعفی ہو گئے۔ بعض کا خیال ہے کہ آپؒ نابینا ہونے کے بعد بھی ایک عرصہ تک عہدۂ قضاء پر فائز رہے، گھر میں خلوت گزیں رہتے، عہدۂ قضا سے مستعفی ہونے کے بعد ''الخشابية'' میں تدریسی مشاغل جاری رہے، اس دوران آپ فصیح الفاظ سے اپنی تقریر کو پیش کرتے اور قرآنِ کریم کی تلاوت خوش الحانی سے کرتے، آپ کو جو عزت و سرفرازی، وجاہت اور وقار حاصل ہوا وہ کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا۔ آپ نے متعدد فنون میں کتابیں لکھیں۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی فقہ، حدیث، اصول اور تاریخ وغیرہ پر متعدد تصانیف ہیں، آپ اسلامی علوم میں اچھی حصہ داری کے ساتھ زہد و عبادت اور اوصافِ حمیدہ کے ساتھ موصوف تھے۔

آپ کا نظم و نثر میں بھی وافر حصہ تھا، نیز آپ کے متعدد خطبات، تلامذہ بھی تھے، آپ اخلاقِ حسنہ، بھرپور رعب وجلال اور کامل عقل و دانش کے مالک تھے۔ نیز امام ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ آپ جب دوسری بار عہدۂ قضاء پر فائز ہوئے تو مال و دولت کی کثرت ہو گئی چنانچہ آپ نے احتیاطاً قضاء کی تنخواہ لینا ترک کر دی۔ پھر قوتِ سماعت میں گرانی

ہوئی اور نظر بھی کمزور ہوگئی تو خود کو اس منصب سے برطرف کرلیا۔ آپ صاحبِ معرفت، ہرفن کے شاہسوار تھے، لوگوں کے قلوب پر آپ کا رعب وجلال قائم رہتا۔ چہرۂ مبارک سفید، پرکشش اور سنجیدگی لیے ہوئے تھا، ڈاڑھی مبارک گول اور خوبصورت تھی۔ آواز باریک اور وقار وسکون کی حامل تھی۔

آپ نے کئی بار حج بیت اللہ کیا، آپ صوفیاء کے تمام طرق سے واقف تھے اور تقویٰ وپرہیزگاری کے پیکر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ امام نوویؒ کو ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک فتویٰ دستیاب ہوا جوان کو بہت پسند آیا۔ اس فتویٰ کی نصیر المحامی نے ایک کاغذ پر مذمت لکھ کر صاحبِ فتویٰ (مؤلف) کو بھیج دی، مؤلف نے اس کو درگزر کیا بلکہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔

جن دنوں آپ مدرسہ الکاملیہ میں مدرس تھے آپ نے کتاب الوقف میں شرائطِ طلبہ کے تحت یہ شرط پڑھی کہ وہ مدرسہ میں ہی رات بسر کرتا ہو تو زمانہء طالب علمی میں مدرسہ سے جو سامان بھی لیا تھا یہ کہہ کر واپس کردیا کہ وہ ان دنوں مدرسہ میں رات بسر نہیں کرتے تھے۔ اس واقعہ سے آپ کی دیانت داری اور پرہیزگاری پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

معزول ہونے کے بعد جب جلال الدین القزوینیؒ آپ کے منصب پر مستقر ہوئے تو مصر کے محل کو خیر باد کہہ کر واپس مدرسہ الصالحیہ آگئے۔ اس واقعہ سے آپ کی تواضع اور انکساری واضح ہوتی ہے۔ جب وفات پائی تو جنازہ میں لوگوں کا ہجوم کثیر تھا۔ امام شافعیؒ کے مدفن کے قریب مقام قرافہ میں مدفون ہوئے۔ اپنے خلوت کدہ میں چھ سال کے قریب پڑے رہے۔ بالآخر جمادی الاخرہ ۷۳۳ھ کو رحلت فرمائی۔ اس وقت عمر مبارک نوے سال سے متجاوز تھی۔

آپ کا ایک شعر ہے:

احسنّ ءالی زیارة حسی لیلی و عهدی من زیارتها قریب
وکنت أظنّ قرب العهد یطفی لهیب الشوق فازداد اللهیب

مؤلف کی سوانح حیات کی تفصیل دیکھنے کے لیے مراجعت کیجئے: (۱) الدرر الکامنة از ابنِ حجرؒ ۳/۲۸۰، ۲۸۳۔ (۲) معجم الشیوخ از علامہ ذھبیؒ ۲/۱۳۰۔۱۳۱۔ (۳) الوافی بالوفیات ۲/۱۸۔۲۰، (۴) نکت الھمیان ۲۳۵۔۲۳۶، (۵) ذیل تذکرة الحفاظ از ابوالمحاسن الحسینی ۱۰۷۔۱۰۸، (٦) طبقات الشافعیة از امام سبکیؒ ۹/۱۳۹۔۱۴۶، (۷) فوات الوفیات از ابن شاکر الکتبیؒ ۳/۲۹۷۔۲۹۸، (۸) شذرات الذھب ٦/۱۰۵، (۹) البدایة والنھایة ۱۴/۱٦۳۔

﴿مقدمہء مؤلف﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للّٰہ البرّ الرحیم الواسع العلیم ذی الفضل العظیم و افضل الصلاۃ و اتم التسلیم علی سیّدنا محمد النبی الکریم المنزل علیه فی الذکر الحکیم: "وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" وعلی آله و أصحابه الکرام جوارہ فی دار النعیم۔

امابعد!

دانش مند انسان وہ ہے جو اخلاقِ حسنہ وآداب کریمانہ کے حصول میں ہر وقت کوشاں رہتا ہے جس کی فضیلت و بزرگی پر عقل و شریعت شاہد ہے، ایسے شخص کے باعظمت ہونے کا ہرکس وناکس قائل ہے، اوراس عمدہ خصلت کے سب سے زیادہ حق دار اوراس مرتبہء جلیلہ کے سب سے زیادہ لائق و مستحق وہ اہلِ علم ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکارمِ اخلاق وآداب اور اہلِ بیتِ واصحاب اور ائمہ اطہار کی پاکیزہ سیرت کے اپنانے کے سبب انبیاء علیہم السلام کے حقیقی وارث اور جانشین ہیں۔ یہ وہ علماءِ خلف ہیں جو اپنے مشائخ سلف کی راہ پر گامزن رہتے ہوئے سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جس طرح علم سیکھتے تھے اسی طرح ہدایت (اخلاق کی درستگی) کا علم بھی حاصل کرتے تھے۔ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ اس دور میں ہر شخص اپنی ذات کی اصلاح کے لئے کئی کئی سال لگاتا تھا۔ حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میزانِ اکبر (جانچ و پرکھ کا بڑا معیار) ہیں، تمام طور و

طریق کو اس پر پرکھا جائے گا جو اس کے مطابق ہوں گے وہ حق و درست قرار پائیں گے اور جو اس کے خلاف ہوں گے وہ غلط و بے بنیاد قرار پائیں گے۔ حضرت حبیب بن الشہیدؒ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، ''بیٹے! فقہاء اور علماء کی صحبت اختیار کرنا، ان سے علم وادب سیکھنا، کیوں کہ یہ چیز مجھے بہت سی احادیث جمع کر لینے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔'' ایک بزرگ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، ''بیٹے! تمہارا ادب کا ایک باب سیکھ لینا مجھے علم کے ستر ابواب سیکھنے سے زیادہ محبوب ہے۔'' امام مخلد بن الحسینؒ نے ابن المبارکؒ سے فرمایا کہ ''ہمیں احادیث زیادہ جاننے کی بہ نسبت آداب زیادہ جاننے کی ضرورت واحتیاج ہے۔''

کسی نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ آپ کو آداب کی کس قدر رغبت ہے؟ فرمایا کہ اگر میں ادب کی کوئی بات سنتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ پورے انہماک کے ساتھ اور ہمہ تن گوش ہو کر سنوں، پھر دریافت کیا گیا کہ آپ کو ادب کی جستجو کس قدر ہے؟ فرمایا کہ مجھے ادب کی جستجو اور تلاش اس قدر ہے کہ جیسے کسی عورت کا اکلوتا بچہ گم ہو جائے اور وہ اس کو ڈھونڈتی پھرتی ہو۔'' جب ادب کا یہ مقام ومرتبہ ہے اور اس کے اس قدر فضائل ومناقب ہیں تو میرے دل میں طلباء کی ضرورت وافادہ کی خاطر یہ داعیہ پیدا ہوا کہ میں ان کے لیے ادب وآداب کے موضوع پر ایک مختصر کتاب لکھوں جو عالم کے لئے تو یاد دہانی کا فائدہ دے اور متعلّم کے لئے تنبیہ وآ گاہی کا مقصد پورا کرے، اور بعض آداب ایسے بھی ذکر کر دیئے گئے ہیں جن میں دونوں شریک ہیں یعنی وہ دونوں سے متعلق ہیں۔ ان آداب کے ضمن میں کتاب کے آداب اور طلباء کی رہائش گاہوں کے متعلق آداب کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ اس لیے کہ آج کل طلبائے کرام عموماً مدارس میں ہی رہائش پذیر ہوتے ہیں۔

میں نے مختلف کتابوں کے مطالعہ، مشائخ واساتذہ کے درس وعظ اور آپس کے مذاکرے اور تکرار سے اخذ کردہ آداب کو یکجا کیا ہے اور اس سلسلہ میں اسانید اور ادلہ کو

حذف کر دیا ہے تاکہ مطالعہ کرنے والا اکتاہٹ کا شکار نہ ہو۔

میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے متفرق جگہوں میں موجود آداب کو ایک جگہ میں جمع کرنے کی کوشش کی ہے اس سے پہلے ایسا کوئی مجموعہ نظر سے نہیں گزرا۔ کتاب کا آغاز علم اور اہلِ علم کی مختصر فضیلت کے بیان سے کیا ہے تاکہ برکت بھی حاصل ہو اور اسلاف کی اتباع و پیروی بھی ہو جائے۔

میں نے اپنے اس مجموعہ کو پانچ ابواب پر مرتب کیا ہے، بابِ اول میں علم اور اہلِ علم کی فضیلت و شرافت کا بیان ہے، بابِ دوئم عالمِ و معلم کے آداب میں ہے کہ وہ اپنے طلباء اور اپنے درس میں کن آداب کا خیال رکھے۔ بابِ سوئم متعلّم کے آداب میں ہے کہ وہ اپنے اور اپنے اساتذہ، اپنے ساتھیوں اور اپنے اسباق میں کن آداب کا پاس رکھیں، بابِ چہارم میں کتابوں سے متعلق آداب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور بابِ پنجم میں مدارس میں بنے ہوئے دارالاقامہ (رہائش گاہوں) سے متعلق آداب وضوابط کا ذکر کیا گیا ہے۔

میں نے اس مجموعہ کا نام "**تذکرة السامع و المتكلم في أدب العالم و المتعلم**" تجویز کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں علم و عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور اپنی بے انتہا رضا و خوشنودی نصیب فرمائیں۔

باب اول

﴿علم اور اہلِ علم کی فضیلت﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

﴿یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ (المجادلة:۱۱)

''اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے درجے بلند کرے گا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''علماء، عام مسلمانوں سے سو درجہ فوقیت رکھتے ہیں کہ جن دو درجوں کے درمیان سو سال کا فاصلہ ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

﴿شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾ (اٰل عمران:۱۷)

''گواہی دی ہے اللہ نے اس کی کہ بجز اس ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہلِ علم نے بھی حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قائم ہیں انصاف کے ساتھ۔''

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ابتداء اپنی ذات سے کی کہ وہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر دوسرے درجہ میں فرشتوں کا ذکر کیا اور پھر تیسرے درجے میں علماء کا ذکر کیا ہے، اس ترتیب سے اہلِ علم کی جلالت وعظمت اور شرف و فضیلت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

(الزمر: ۸)

''آپ کہیے کہ کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں۔''

نیز فرمانِ رب العالمین ہے:

﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل: ۴۳)

''سو اگر تم کو علم نہیں تو اہلِ علم سے پوچھ دیکھو۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ مَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾ (العنکبوت: ۴۳)

''اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی لوگ سمجھتے ہیں۔''

نیز فرمانِ خداوندی ہے:

﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِىْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾

(العنکبوت: ۴۸)

''بلکہ وہ آیتیں ہیں روشن ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم عطا ہوا ہے۔''

نیز ارشادِ الٰہی ہے:

﴿اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ .... ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ رَبَّهٗ﴾ (البینة: ٦)

''یہ لوگ بہترین خلائق ہیں، ان کا صلہ ان کے پروردگار کے نزدیک ہمیشہ رہنے کی بہشتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے یہ (جنت اور رضا) اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔''

ان دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے بہترین مخلوق ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ علماء بہترین مخلوق ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر و بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں اس کو دین کی خوب سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔''

(اخرجہ البخاری ۷۱، ومسلم ۱۰۳۷)

نیز آں حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''علماء، انبیاء کے وارث ہیں''

(حدیث ضعیف: اخرجہ ابوداؤد: ۳۶۴۱، وابن ماجہ ۲۲۳، والترمذی ۲۶۸۲، من حدیث ابی الدرداء)

جب نبوت سے اونچا کوئی مرتبہ نہیں ہے تو جو اس مرتبہ کا وارث ہو تو اس سے اونچا اور کسی کا مقام و مرتبہ نہیں ہوگا۔ بھلا اس سے بڑی فضیلت و عظمت اور قابلِ فخر، لائقِ ذکر رتبہ و مقام اور کوئی ہوسکتا ہے؟

ایک حدیث مبارک میں آتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا تذکرہ ہوا، جن میں سے ایک عابد اور دوسرا عالم تھا تو فرمایا کہ

''عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر ہو'' (حدیث ضعیف: اخرجہ الترمذی ۲۶۸۵، والطبرانی ۷۹۱۱)

نیز آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص علم کے حصول کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے تو وہ حقیقت میں جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ پر چلتا ہے، اور فرشتے، طالب علم کے لیے اپنے پَر بچھاتے ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس طالبِ علم سے راضی وخوش ہوتے ہیں، اور عالم کے لئے آسمانوں کی مخلوق اور زمین کی مخلوق حتی کہ مچھلیاں پانی کے اندر مغفرت کی دعائیں کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں

رات کے چاند کو تمام ستاروں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اور علماء، نبیوں کے وارث ہیں اور وہ (انبیاء) ورثہ میں درہم اور دینار چھوڑ کر نہیں گئے بلکہ وہ تو صرف علم ورثہ میں چھوڑ گئے ہیں، پس جس شخص نے اس علم کو حاصل کیا اس نے وافر حصہ پایا"۔

(حدیث ضعیف، اخرجہ ابوداؤد ۳۶۴۱، وابن ماجہ ۲۲۳، والترمذی ۲۶۸۲)

جن ہستیوں کی مغفرت کی دعا میں خود فرشتے مشغول ہوں اور ان کے لئے اپنے پَر بچھا دیئے ہوں ان سے اونچا کسی کا مرتبہ نہیں ہوسکتا۔

"فرشتے اپنے پَر بچھا دیتے ہیں" اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ فرشتے انکے سامنے عاجزی اور فروتنی اختیار کرتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اپنی پرواز روک کر نیچے اتر آتے ہیں اور ان کے حضور بیٹھ جاتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ فرشتے ان کی توقیر وتعظیم کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنے پَروں پر بٹھا کر منزلِ مقصود تک پہنچانے میں مدد کرتے ہیں۔

اور دوسری مخلوقات، علماء کے لئے مغفرت کی دُعا اس لیے کرتی ہیں کہ ان کی تخلیق کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ بندوں کے مصالح ومنافع کا پاس کریں۔

اور علماء ہی وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو حلال وحرام کے مسائل سے آگاہ کرتے ہیں اور حیوانات کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور ان کو تکلیف نہ پہنچانے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"قیامت کے روز علماء کی سیاہی اور شہداء کے خون کا وزن کیا جائے گا" (حدیث ضعیف: العلل المتناھیۃ ۸۵، کشف الخفاء: ۳۲۸۱)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ علماء کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ ان کی سیاہی کا وزن شہداء کے خون سے زیادہ ہوگا حالانکہ شہید کے لیے اس کا خون اعلیٰ اور عالم کے لئے اس

کی سیاہی ادنیٰ ہے۔ نیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تفقہ فی الدین سے بڑی کوئی عبادت نہیں ہے اور ایک فقیہ (عالم)، ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہوتا ہے۔''

(حدیث ضعیف: جداً أخرجه الدارقطني ۳/۷۹، وابونعیم فی الحلیۃ ۲/۱۹۲)

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''اخلاف میں اس علمِ دین کے حامل وہ نیک لوگ ہوں گے جو حد سے تجاوز کرنے والوں کی تحریف اور اہلِ باطل کے غلط انتساب اور جاہل لوگوں کی غلط تاویل کی دین سے نفی کریں گے''۔

(حدیث ضعیف، اخرجہ ابن عدی ۱/۱۵۲-۱۵۳، وابن الجوزی فی الموضوعات ۱/۳۱)

ایک حدیث مبارک میں آیا ہے کہ

''قیامت کے دن تین طرح کے لوگ سفارش کریں گے، انبیاء، پھر علماء اور پھر شہداء''

(حدیث موضوع، اخرجہ ابن ماجہ ۴۳۱۳، وابن عبدالبر فی ''بیان العلم وفضلہ ۱۵۲'' ۱۵۲)

نیز مروی ہے کہ

''علماء قیامت کے روز نور کے منبروں پر ہوں گے''

(الموضوعات: ۱۴۴)

قاضی حسین بن محمد رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

''جو شخص علم اور علماء سے محبت کرے ساری زندگی اس کے نامہء اعمال میں گناہ نہیں لکھے جائیں گے''

(حدیث ضعیف اخرجہ ابن الجوزی فی ''العلل المناھیۃ'' ۱۴۳)

نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے عالم کا اکرام کیا تو وہ ایسا ہے جیسے اس نے ستر نبیوں اور ستر شہیدوں کا اکرام کیا'' (ابن الجوزی ۱۴۳)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص کسی عالم کے پیچھے نماز پڑھے وہ ایسا ہے جیسے اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی اور جس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی وہ بخش دیا گیا'' (نصب الرایۃ ۲/۲۶)

امام شرمساحی المالکیؒ نے اپنی کتاب ''نظم الدر'' کے آغاز میں یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے عالم کی تعظیم کی اس نے گویا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی اور جس نے عالم کی اہانت کی اس نے گویا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کم درجہ خیال کیا''

(ابونعیم فی الحلیۃ ۳/۵۷، وابن الجوزی فی ''العلل'' ۸۴۸)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم کے عظیم الشان ہونے کے لیے یہی ایک بات کافی ہے کہ جو اس میں کمال نہیں رکھتا وہ بھی اس کا دعویدار ہے اور اپنی طرف علم کی نسبت سے خوش ہوتا ہے اور جہالت کی مذمت میں یہی ایک بات کافی ہے کہ خود جاہل شخص اس سے برائت کا اظہار کرتا ہے۔'' (بیان العلم وفضلہ: ۲۹۵)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ بہترین نعمت عقل اور بدترین مصیبت جہالت ہے''۔

ابومسلم الخولانیؒ فرماتے ہیں کہ ''علماء زمین پر ایسے ہیں جیسے آسمان پر ستارے کہ جب نموادر ہوں تو لوگ اس کی روشنی میں راہ پاتے ہیں اور جب چھپ جائیں تو لوگ سرگرداں ہوتے ہیں''۔

ابوالاسود الدؤلیؒ فرماتے ہیں کہ ''علم سے زیادہ کوئی چیز قیمتی نہیں، بادشاہ لوگوں پر حکمران ہیں اور علماء بادشاہوں پر حکمران ہیں۔''

حضرت وہبؒ فرماتے ہیں کہ علم کی برکت سے خسیس آدمی، باشرف، بے قدر انسان باعزت، نادار شخص، مال دار اور بے وقعت، باوجاہت ہو جاتا ہے۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم سیکھو، کیونکہ علم کا سیکھنا خشیت ہے اور اس کی طلب عبادت ہے، اس کا تکرار تسبیح ہے، اس کے بارہ بحث کرنا جہاد ہے اور اس کا صرف کرنا قربت ہے اور نادانوں کو سکھانا صدقہ ہے''۔ (اخرجہ ابن عبدالبرّ: ۲۶۸)

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ''علم سکھانے والے عالم کا آسمانوں میں بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے۔''

حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ رکھنے والے انبیاء اور علماء ہیں۔''

نیز آپؒ نے فرمایا کہ دنیا میں کسی کو نبوت سے زیادہ افضل چیز نہیں دی گئی، اور نہ ہی نبوت کے بعد علم وفقہ سے زیادہ افضل اور اعلیٰ چیز کسی کو عطا ہوئی، کسی نے عرض کیا کہ یہ علم وفقہ کن سے حاصل کیا جائے؟ فرمایا کہ تمام فقہاء کرام سے حاصل کرو۔''

حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ وہ انبیاء کی مجالس کو دیکھے تو اسے چاہیئے کہ علماء کی مجلس کو دیکھ لے، اس بات سے ان کے مرتبہ کا اندازہ لگالو''۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر عمل کرنے والے فقہاء (علماء) اللہ کے اولیاء نہیں تو پھر اللہ کا کوئی بھی ولی نہیں ہے'' حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ فقہ کی مجلس میں بیٹھنا ساٹھ سال کی عبادت سے زیادہ بہتر ہے۔''

حضرت سفیان الثوریؒ فرماتے ہیں کہ فرائض کے بعد طلبِ علم سے زیادہ افضل کوئی چیز نہیں ہے۔'' امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ فقہ کے برابر کوئی عبادت نہیں ہے۔''

(الحلیۃ ۳/ ۳۶۵، بیان العلم وفضلہ: ۱۱۰)

حضرت ابوذر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ علم کا ایک باب سیکھنا ہمیں نفل نماز کی ایک ہزار رکعت پڑھنے سے زیادہ پسند ہے اور علم کا ایک باب جاننا

(اس پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے) ہمیں نفل نماز کی سو رکعت سے زیادہ پسند ہے۔''

مذکورہ فضائل سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے علم کے ساتھ مشغول ہونا نفلی اور بدنی عبادات سے افضل ہے، جیسے نفل نماز پڑھنا، روزے رکھنا، تسبیح اور دعا وغیرہ کرنا۔ اس لیے کہ علم کا نفع عام ہے، سب کو پہنچتا ہے، خود صاحبِ علم کو بھی اس کا نفع ہوتا ہے اور تمام لوگوں کو بھی اس کا نفع پہنچتا ہے۔ جب کہ نفلی عبادات کا نفع صرف عبادت گزار تک محدود رہتا ہے، نیز علم سے ہی عبادات کی اصلاح و درستگی وابستہ ہے یعنی عبادات کی درستگی علم پر وقوف ہے، جب کہ خود علم عبادات پر موقوف نہیں ہے، عبادات، علم کی محتاج ہیں، علم عبادات کا محتاج نہیں ہے، نیز اس لیے کہ علماء، انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں جب کہ یہ مرتبہ عابدین (صوفیاء) کو حاصل نہیں ہے، نیز اس لیے کہ عالمِ دین کی اطاعت دوسرے پر واجب ہے اور علم کا اثر صاحبِ علم کی وفات کے بعد بھی باقی رہتا ہے جب کہ نفلی عبادات کا سلسلہ عابد کی موت سے منقطع ہو جاتا ہے، نیز علم کی بقاء میں شریعت کا احیاء اور آثارِ ملت کا تحفظ وابستہ ہے۔

فصل

یاد رکھیں کہ علم اور صاحبِ علم کے جو فضائل سابق میں مذکور ہوئے وہ صرف نیک، متقی، پرہیزگار، عمل کرنے والے علماء کے متعلق ہیں جن کا حصولِ علم سے مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور جنت نعیم میں اس کا قرب حاصل کرنا ہے۔ ان فضائل کا تعلق ایسے لوگوں سے نہیں ہے جن کا حصولِ علم سے مقصد خداتعالیٰ کی رضا جوئی کی بجائے دنیاوی اغراض یا مال و جاہ کا حصول یا مریدین اور طلباء کی کثرت یا کوئی اور بری نیت ہو۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشادِ گرامی ہے کہ

''جو شخص اس لیے علم حاصل کرے تاکہ اُس کے ذریعہ بیوقوفوں

سے لڑائی جھگڑا کرے یا اس کے ذریعہ علماء سے بحث وتکرار کرے یا اس کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جہنم میں داخل کریں گے۔'' (اخرجہ الترمذی)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''جو شخص غیر اللہ کے لئے علم حاصل کرے یا اس سے مقصود غیر اللہ کی رضا جوئی ہو تو ایسے شخص کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں ڈھونڈ لینا چاہیئے'' (رواہ الترمذی)

نیز مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''جس نے ایسا علم سیکھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جا سکتی ہے لیکن وہ اس کو اس لیے سیکھتا ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا کی کوئی غرض حاصل کر لے تو وہ قیامت کے دن جنت کی ہوا تک نہ پائے گا۔'' (اخرجہ ابوداؤد ۳۶۶۴، وابن ماجہ ۲۵۲، واحمد ۲/ ۳۳۸، وابن حبان ۷۸، والحاکم ۱/ ۸۵، والخطیب فی ''تاریخہ'' ۵/ ۳۴۶۔۳۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے روز جن لوگوں کا سب سے پہلے فیصلہ ہوگا (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر تین قسم کے لوگوں کا ذکر کیا اس میں یہ بھی ہے کہ) ایک ایسا آدمی جس نے علم سیکھا ہوگا اور دوسروں کو سکھایا بھی ہوگا اور قرآن پڑھا ہوگا اسے بارگاہِ خداوندی میں پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے جس کو وہ پہچان لے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے ان نعمتوں پر کس قدر عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ الٰہی! میں نے تیری خوشنودی کے لئے علم سیکھا اور سکھایا اور تیری رضاء کے لئے قرآن پڑھا، اللہ فرمائیں گے کہ تو جھوٹ بولتا

ہے، تو نے اس لیے علم سیکھا تا کہ کہا جائے کہ بڑا عالم ہے اور قرآن
اس لیے پڑھا تا کہ کہا جائے کہ بڑا قاری ہے، پس وہ کہد یا گیا،
پھر حکم ہوگا تو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے
گا۔'' (اخرجہ مسلم والنسائی:۶/۲۳)

حضرت حماد بن سلمہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص غیر اللہ کے لئے علم حاصل کرتا ہے وہ خسارے سے دو چار ہوتا ہے۔ (اخرجہ ابونعیم ۶/۲۵۱، بیان العلم وفضلہ:۱۱۵۳)

حضرت بشرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میرے اور اپنے درمیان فسادی عالم کو واسطہ نہ بناؤ ورنہ وہ شک کے ذریعہ تجھے میری محبت سے روک دے گا، یہ لوگ میرے بندوں کے لیے رہزن اور ڈاکو کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

باب دوئم

﴿معلم کے آداب کے بیان میں﴾

اس میں تین فصلیں ہیں:

(۱) معلم کو خود کن آداب سے مزین ہونا چاہئے؟
(۲) معلم کو اپنے درس میں کن آداب کا خیال رکھنا چاہئے؟
(۳) اپنے طالب علموں کے ساتھ کن آداب کی رعایت ملحوظ رکھے؟

فصل اول

﴿معلم کو خود کن آداب سے مزین ہونا چاہئے؟﴾

اس میں بارہ انواع ہیں:

(۱) ہر حال میں خوفِ خدا، وقار، سکون اور تواضع کی صفت پر قائم رہے

معلم کو چاہئے کہ وہ تمام حرکات وسکنات اور اقوال وافعال میں خوفِ خدا کی صفت کے ساتھ موصوف رہے، کیوں کہ وہ ان علوم وفہوم اور حواس کا امین ہے جو اس میں ودیعت رکھے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَا تَخُونُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ وَ تَخُونُوْا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (الانفال: ۲۶)

"تم اللہ اور رسول ﷺ کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور اپنی امانتوں میں خلل مت ڈالو حالاں کہ تم جانتے ہو۔"

نیز فرمایا:

﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلاَ تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ﴾ (المائدہ: ۴۴)

''بوجہ اس کے کہ ان کو اس کتاب اللہ کی نگہداشت کا حکم دیا تھا اور وہ اس کے اقراری ہو گئے تھے سو تم بھی لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ علم وہ نہیں جو محفوظ کر لیا گیا ہو بلکہ علم وہ ہے جو دوسروں کو نفع دے''۔ اور وقار، سکون، تواضع اور عاجزی بھی اسی قبیل سے ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے رشیدؒ کو یہ لکھا کہ ''جب تم علم کو سیکھو تو اس کے وقار، سکون اور حلم اور بردباری کا اثر تجھ پر نظر آنا چاہئے، کیونکہ حضورِ اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ علماء، انبیاء کے وارث ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم سیکھو، اور اس کے لئے وقار وسکون کو سیکھو۔''

ایک بزرگ کا قول ہے کہ عالم پر یہ امر لازم ہے کہ وہ ظاہری اور پوشیدہ طور پر اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے اور اپنے نفس سے احتیاط کرے اور مشکل مسئلہ میں توقف اختیار کرے۔''

(۲) علم کے تقدس کا خیال رکھے

نیز معلم کے آداب میں یہ بات شامل ہے کہ وہ علمائے اسلاف کی طرح علم کے وقار اور اس کے تقدس کا ہمہ وقت خیال رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جو عزت و مقام عطا کیا ہے اس کو پیشِ نظر رکھے، لہٰذا اس کو چاہئے کہ بلاضرورت نااہل کو علم کے زیور سے آراستہ نہ کرے خواہ وہ کتنا ہی بلند شان اور عظیم المرتبت ہو۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ علم کی توہین ہے کہ عالم اس کو لے کر متعلّم کے دروازے پر جائے۔''

اسلاف سے اس مضمون کی روایات بہ کثرت ثابت ہیں۔ ابوشجاع الجرجانیؒ نے کیا خوب کہا ہے:

ولم ابتذل فی خدمة العلم لاخدم من لاقیتُ لکن لاخدما

أأشقی به غرساً وأجنیه ذلّة اذًا فاتّباع الجهل قدکان أحزما

ولو أنّ اهل العلم صانوه صانهم ولو عظّموه فی النفوس لعظّما

لیکن اگر نااہل کو تعلیم دینے کی کوئی حاجت یا ضرورت پیش آجائے یا دینی مصلحت اس کی متقاضی ہو جو مصلحت فساد کے پہلو پر راجح ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے انشاءاللہ تعالیٰ

بعض اسلاف کا بادشاہوں اور حکمرانوں کے پاس خود چل کر جانا اور ان کو علمی فوائد سے مستفید کرنا اسی قبیل سے تھا۔ جیسے امام زہریؒ اور امام شافعیؒ جایا کرتے تھے، ان حضرات کی اس سے دنیاوی اغراض ہرگز مقصود نہ تھی۔ اسی طرح اگر دوسرا شخص علم و زہد میں بلند رتبہ ہو تو افادہ کی غرض سے اس کے پاس جانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسے امام سفیان الثوریؒ، ابراہیم بن ادھمؒ کے پاس خود جاتے تھے اور ان کو اپنے علم سے مستفید کرتے تھے۔ اور ابوعبیدؒ، علی بن المدینیؒ کے پاس جا کر ان کو نادر احادیث سناتے تھے۔

(۳) دنیا سے بے رغبتی اختیار کرے

عالم اور معلم کو چاہئے کہ دنیا سے زیادہ تعلقِ خاطر نہ رکھے، اور اسے دنیا سے رغبت کم سے کم ہو مگر اتنا بھی بے رغبت نہ ہو کہ خود اس کے لئے اور اس کے اہل وعیال کے لئے مضرت کا باعث بن جائے۔ کیوں کہ اعتدال پر رہتے ہوئے قناعت اختیار کرنا دنیاداری میں شامل نہیں ہے۔ ایک عالم کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ وہ دنیا سے تعلق اور اس

سے رغبت رکھنے کو برا خیال کرے۔ اس لیے کہ وہ عام لوگوں کی نسبت دنیا کی خست، حقارت اور اس کے پُرفتن اور زوال پذیر ہونے کو زیادہ جانتا ہے لہٰذا وہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ دنیا کی طرف زیادہ ملتفت اور متوجہ نہ ہو اور اس کے بکھیڑوں میں نہ پڑے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر وصیت کی جائے کہ یہ مال اس شخص کو دیا جائے جو لوگوں میں سب سے عقلمند ہو تو اس کی وصیت کا محمل زاہد لوگ ہوں گے'' بھلا علماء سے زیادہ کون عقلمند اور دانا ہوسکتا ہے؟

حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا سونے کا ناپائیدار ڈلا اور آخرت مٹی کا پائیدار ٹھیکرا ہوتا تو عقلمند آدمی کے مناسب یہ تھا کہ وہ پائیدار مٹی کے ٹھیکرے کو سونے کے ناپائیدار ڈلے پر ترجیح دیتا لیکن جب دنیا مٹی کا ناپائیدار ٹھیکرا اور آخرت سونے کا پائیدار ڈلا ہو تو پھر تو آخرت کو ہی دنیا پر ترجیح دینا عقلمندی اور دانشمندی کہلائے گا۔''

(۴) اپنے علم کو دنیاوی اغراض کے حصول کا ذریعہ نہ بنائے

نیز معلم کے آداب میں یہ امر شامل ہے کہ وہ دنیا کی اغراض سے دور رہے۔ جیسے مال و جاہ کی محبت، ریاکاری، شہرت پسندی، خدمت پسندی اور اپنے ہمعصر لوگوں پر تقدم اور برتری حاصل کرنا وغیرہ۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ''میری خواہش ہے کہ لوگ مجھ سے اس شرط پر علم حاصل کریں کہ وہ میری طرف اس علم کا ایک حرف بھی منسوب نہیں کریں گے۔''

اس طرح معلم کو چاہئے کہ اپنے طلباء سے مال یا خدمت وغیرہ کی طمع نہ رکھے۔

منصورؒ اپنے پاس آنے والے شخص سے مدد کے خواستگار نہیں ہوتے تھے۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ میں فہمِ قرآن کی دولت سے نوازا گیا

تھا، لیکن جب میں نے ابوجعفر سے (پیسوں کی بھری) تھیلی قبول کی تو وہ دولت مجھ سے سلب کرلی گئی، پھر میں اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرتا رہا۔"

(۵) تہمت کے مواقع اور حقیر پیشہ اختیار کرنے سے اجتناب کرے

عالم کو چاہئے کہ جو پیشے طبعاً یا عادۃً یا شرعاً رذیل اور ناپسندیدہ شمار ہوتے ہیں ان سے پرہیز کرے جیسے حجامت، دباغت وغیرہ کا پیشہ ہے، اسی طرح تہمت کے موقعوں سے بھی بچنا چاہئے ایسا کوئی کام نہ کرے جس کی وجہ سے اس پر کوئی الزام لگنے کا اندیشہ ہو یا وہ کام بظاہر معیوب اور مکروہ ہو اس کے ارتکاب سے بھی بچے اگرچہ فی الحقیقت وہ کام جائز اور درست ہو۔ اس لیے کہ ایسے کام کے کرنے سے اس کی عزت پامال ہوسکتی ہے اور لوگ طرح طرح کی بدگمانیاں کریں گے اور اگر کسی ضرورت کی بناء پر ایسا کام صادر ہو جائے تو دیکھنے والوں کو اسکی حقیقت اور اصل مقصود سے آگاہ کردے اور اپنا عذر بتادے جیسا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن اپنی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گفتگو فرمارہے تھے تو دو آدمی وہاں سے گزرے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر بھاگ نکلے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ان سے فرمایا کہ سنو! ذرا رکو! یہ عورت صفیہ ہیں، پھر فرمایا کہ شیطان، انسان کے اندر اس طرح گردش کرتا ہے جس طرح خون انسانی جسم میں گردش کرتا ہے، اس لیے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی شک وشبہ نہ گزرے یا فرمایا کہ کہیں تم دونوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ (اخرجہ البخاری ۲۰۳۵، ومسلم ۲۱۷۵)

(۶) اسلامی شعائر اور احکام کی پابندی کرے

معلم اور عالم کو چاہئے کہ اسلامی شعائر واحکام کو بجالاتا رہے، جیسے مسجد میں نماز باجماعت کا اہتمام، ہر عام وخاص کو سلام کرنا، نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا، دعوت وتبلیغ کی راہ میں جو تکلیفیں آئیں ان پر صبر کرنا، سلطان کے سامنے کلمہ حق کو بلند کرنا، اللہ تعالیٰ

کی رضا جوئی کے لئے اپنی جان تک قربان کرنا، اس سلسلہ میں کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہ کرنا، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ذی شان کو مدنظر رکھے:

﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾

(لقمان: ۱۶)

''یعنی جو مصائب آئیں ان پر صبر کرو، بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

رسولِ کریم ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام نے تکالیف وآلام پر جس صبر وضبط کا مظاہرہ کیا اس کو پیش نظر رکھے۔ اسی طرح حضور ﷺ کی سنتوں کا احیاء اور بدعات وخرافات کا قلع قمع کرے، دین کے کاموں کو اللہ کی خوشنودی کے لئے بجالائے، اور جن کاموں میں عام مسلمانوں کی مصلحت اور بہتری پوشیدہ ہو تو اسے بھی مشروع طریقہ سے سرانجام دینے کی کوشش کرے۔

نیز عالم کو چاہئے کہ وہ مباحات کی بجائے مستحبات پر عمل پیرا ہو، کیوں کہ علماء لوگوں کے لئے اسوہ اور نمونہ ہیں، عام لوگ دین کے احکام میں ان ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس طرح وہ عوام الناس کے مقتداء اور پیشوا ہوتے ہیں، عوام پر خدا تعالیٰ کی حجت اور دلیل ہیں۔ اس لیے علماء کو احتیاط سے رہنا چاہئے کہ بسا اوقات ایسے لوگ بھی ان کی پیروی کر رہے ہوتے ہیں جن کو وہ علماء خود نہیں جانتے۔ جب ایک عالم اپنے علم سے خود مستفید نہیں ہوتا تو دوسرا بطریقِ اولیٰ اس سے مستفید نہ ہوگا۔ جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ علم وہ نہیں ہے جو محفوظ کرلیا جائے بلکہ علم وہ ہے جو آگے دوسرے کو نفع بھی دے۔''

یہی وجہ ہے کہ عالم کی لغزش کو سنگین قرار دیا گیا ہے، کیونکہ سب لوگ اس کی اقتداء اور پیروی میں لگے ہوتے ہیں، جب وہ ٹھوکر کھائے گا تو اس کے عام مقتدی اور پیروکار بھی مفاسد میں مبتلا ہوں گے۔

(۷) مستحب اعمال کی بھی پابندی کرے

ایک عالم کو چاہئے کہ قولی اور فعلی مندوبات کی پابندی بھی کرے، جیسے تلاوتِ قرآن پاک، اللہ تعالیٰ کا ذکرِ قلبی اور ذکرِ لسانی اور دن رات کی مسنون دعائیں اور اذکار اور نفلی عبادات جیسے نماز، روزہ، حج بیت اللہ، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود شریف بھیجنا۔ اس لیے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت اور ان کی دل میں عظمت رکھنا واجب اور ضروری ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نامِ گرامی کے ذکر کے وقت آداب کا لحاظ و پاس رکھنا مطلوب اور مسنون ہے۔ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکرِ مبارک آتا تو امام مالکؒ کا رنگ بدل جاتا اور آگے کی طرف جھک جاتے''۔ حضرت جعفر بن محمدؒ کا بھی یہی حال تھا کہ ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وقت ان کا رنگ زرد ہو جاتا تھا۔

امام ابن القاسمؒ کے سامنے ذکرِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رعب و جلال کی وجہ سے ان کی زُبان خشک ہو جاتی تھی۔ عالم کو چاہئے کہ وہ تلاوتِ کلام پاک کے دوران اس کے معانی، اوامر ونواہی وعدہ وعید وغیرہ میں غور و تدبر بھی کرے۔ نیز حفظِ قرآن کے بعد قرآن کو بھلا دینے سے بچے، کیوں کہ احادیثِ مبارکہ میں اس پر بہت زیادہ وعیدیں آئی ہیں۔

اس لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کو یاد رکھنے کے لئے یومیہ مقدار مقرر کر لے جس کی پھر خوب پابندی کرے، ایک ہفتہ میں ایک بار قرآن پاک مکمل پڑھ لینا زیادہ بہتر ہے، اس کو حدیث میں بھی اچھا وظیفہ قرار دیا گیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کا بھی اس پر عمل تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ''جو شخص ایک ہفتہ میں قرآن پاک مکمل پڑھ لیا کرے وہ کبھی قرآن نہیں بھولتا۔''

(۸) لوگوں کے ساتھ اخلاقِ کریمانہ سے پیش آئے

ایک عالم کے آداب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ اخلاقِ حسنہ سے پیش آئے جیسے، خندہ پیشانی سے ملنا، سلام کو رواج دینا، کھانا کھلانا، غصہ پر ضبط و کنٹرول کرنا، لوگوں کو تکالیف نہ پہنچانا، ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کو برداشت کرنا، دوسروں کو فوقیت دینا، خود فوقیت نہ چاہنا، دوسروں کے ساتھ انصاف کرنا، اپنے لیے انصاف کا طلبگار نہ ہونا، کسی کے احسان کا شکرگزار ہونا اور ان کو راحت پہنچانا اور لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرنا، اور اس کے لیے اپنے منصب کو استعمال کرنا، ناداروں کے ساتھ لطف و مہربانی سے پیش آنا، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کی نگاہ میں محبوب بننا، اپنے طلباء کے ساتھ رفق و نرمی برتنا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور ان کی مدد کرنا وغیرہ، جب کسی کو دیکھے کہ نماز کی پابندی نہیں کرتا یا کسی واجب امر کا اہتمام اور خیال نہیں کرتا تو اس کو نرمی اور لطف و مہربانی سے سمجھائے، جیسے آنحضرت ﷺ نے اس دیہاتی آدمی کے ساتھ سلوک کیا جس نے مسجد کے اندر پیشاب کر دیا تھا یا جب معاویہ بن الحکم نے نماز کے اندر کلام کیا تھا، آپ ﷺ نے اس کو کتنے اچھے انداز میں سمجھایا تھا۔

(۹) اخلاقِ رذیلہ سے پاکی حاصل کرے

ایک عالم کو چاہیے کہ وہ اخلاقِ رذیلہ سے پاکی حاصل کرے اور اخلاقِ فاضلہ سے اپنے آپ کو آراستہ و پیراستہ کرے۔ چند ایک اخلاقِ رذیلہ یہ ہیں: کینہ، حسد، ظلم، غصہ جو غیر اللہ کے لیے ہو، ملاوٹ کرنا، تکبر، خود پسندی، شہرت پسندی، بخل، خباثت، اتراہٹ، لالچ، فخر و ریاکاری، دنیا کی رغبت اور اس کی چیزوں سے فخر و مباہات، مداہنت، لوگوں کے لئے آراستہ ہونا، ناکردہ کام پر ستائش کا خواہش مند ہونا، نفس کے عیوب سے چشم پوشی کرنا اور دوسروں کے عیوب کو تلاش کرنا، غیر اللہ کے لئے حمیت و

غیرت دکھانا، غیر اللہ کے لئے رغبت یا رہبت کرنا، غیبت کرنا، چغلخوری کرنا، جھوٹ بولنا، بے حیائی کی باتیں کرنا اور لوگوں کو اپنی نظر میں حقیر جاننا، اگر چہ وہ اس سے کم درجہ ہوں۔

ایسے بُرے اخلاق سے کلی طور پر بچنا چاہئے، کیوں کہ یہ ہر برائی کا باب ہیں بلکہ یہ خود برائی ہیں۔ اس دور میں بہت سے علماء ان اخلاقِ رذیلہ میں مبتلا ہیں خاص طور سے حسد، ریا کاری، خود پسندی اور دوسروں کو حقیر جاننے کی برائی بہت سوں میں پائی جاتی ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے وہی محفوظ ہوسکتا ہے۔ ان امراض کا علاج اصلاحی کتب میں شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہے، جو شخص اپنی اصلاح کا طالب ہو اس کو چاہئے کہ ایسی کتب کا مطالعہ کرے، امام محاسبی رحمہ اللہ کی کتاب ”الرعایہ“ اس موضوع کی مفید ترین کتاب ہے۔ حسد کا ایک علاج یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حاسد یہ سوچے کہ میرا یہ حسد کرنا تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اس حکمت پر اعتراض ہے جو محسود کو نعمت سے بہرہ یاب کرنے کی متقاضی ہے۔ علاوازیں حاسد اس حسد کی وجہ سے خواہ مخواہ کی مشقت اور پریشانی میں مبتلا رہتا ہے جس سے محسود کو کوئی گزند نہیں پہنچتا۔

خود پسندی کا ایک علاج یہ ہے کہ وہ یہ سوچے کہ اس کا علم، فہم، ذہانت وفطانت اور فصاحت سب وہ نعمتیں ہیں جو اس کو محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حاصل ہوئی ہیں اور اس کے پاس خدا کی امانت ہیں تاکہ دیکھا جائے کہ ان نعمتوں کا حق ادا کرتا ہے یا نہیں؟ نیز اس بات میں غور کرے کہ جس ذات نے یہ نعمتیں اس کو عطا کی ہیں وہ ان نعمتوں کو سلب کرنے پر بھی قادر ہے، جیسے بلعام بن باعوراء کا علم ایک لحہ میں سلب کر لیا گیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کام کوئی مشکل بھی نہیں ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿اَفَاَمِنُوۡا مَكۡرَ اللّٰهِ﴾ (الاعراف:۹۸)

”یعنی کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہوگئے ہیں۔“

ریا کاری کا ایک علاج یہ ہے کہ اس امر میں غور کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ کے بغیر ساری مخلوق اس کو نفع پہنچانا چاہے تو نفع نہیں پہنچا سکتی، اسی طرح اللہ تعالیٰ

کے حکم کے بغیر اس کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا سکتا، لہٰذا جو شخص فی الحقیقت نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے اس کی خاطر اپنا عمل ضائع نہ کرے اور اپنے دین کا نقصان نہ کرے، یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نیت اور باطنی قباحتوں سے پوری طرح آگاہ ہے۔ جیسا کہ ایک حدیثِ پاک میں ہے:

''جو شخص شہرت پسندی کے لئے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے عیوب کی شہرت کریں گے اور جو دکھاوا کرے گا اللہ بھی اس کے عیوب لوگوں کو دکھائیں گے۔'' (اخرجہ البخاری ۶۴۹۹، ومسلم: ۲۹۸۷)

لوگوں کو حقیر جاننے کا ایک علاج یہ ہے کہ ان فرامین باری تعالیٰ میں غور وفکر کرے:

﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ﴾

(الحجرات: ۱۰)

''کوئی قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے، ممکن ہے کہ وہ قوم اس سے زیادہ بہتر ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (الحجرات: ۱۲)

''ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور آپس کے تعارف کے لئے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے، بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے، بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والے پوری خبر رکھنے والے ہیں۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ (النجم: ۳۱)

''اپنے آپ کو پاک صاف نہ کہا کرو، وہی جانتا ہے کہ کون زیادہ پرہیزگار ہے۔''

جس کو حقیر خیال کیا جاتا ہے وہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی نظر میں زیادہ پاکیزہ دل اور اپنے عمل اور نیت میں زیادہ مخلص ہوتا ہے۔ جیسے کسی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو تین چیزوں میں چھپا رکھا ہے۔ اپنے ولی کو اپنے بندوں میں، اپنی رضاء کو اپنی طاعات میں اور اپنے غضب کو اپنی نافرمانیوں میں۔''

اخلاقِ فاضلہ یہ ہیں: توبہ پر مداومت، اخلاص، یقین، تقوی، صبر، رضاء، قناعت، زہد، اللہ پر توکل و بھروسہ، باطن کی سلامتی، حسنِ ظن، درگزر کرنا، خوش خلقی، احسان مندی، شکرانِ نعمت، مخلوقِ خدا پر شفقت، اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے حیا و شرم کرنا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت تمام محاسن کی جامع ہے اور یہ محبت، اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیدا ہوتی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ (آل عمران: ۳۰)

''آپ فرما دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنا دیں گے اور تمہارے گناہ معاف کر دیں گے۔''

(۱۰) عبادت اور علم کے حصول پر خوب توجہ دے

عالم کو چاہئے کہ اوراد و وظائف اور دیگر عبادات پر زیادہ سے زیادہ توجہ دے

اور ان کی خوب پابندی کرے اور علم کے حصول میں ہر طرح مشغول رہے، خواہ پڑھنے کے ذریعہ ہو یا پڑھانے کے طور پر ہو، کتب کا مطالعہ ہو یا ان میں فکر و تدبر ہو یا ان کو یاد کرنا ہو یا ان کتب پر تعلیق وحواشی رقم کرنا ہو یا بحث و تصنیف ہو۔ ہمہ وقت علم کے ساتھ وابستہ رہے۔ اپنی عمر کے قیمتی لمحات کو ذرا بھی ضائع نہ کرے، غیر مقصود امور میں مبتلا نہ ہو مگر بقدرِ ضرورت، جیسے کھانا پینا، سونا یا اکتاہٹ دور کرنے کے لئے آرام کرنا، یا بیوی کا حق ادا کرنا یا مہمان کا حق ادا کرنا یا خوراک کا حصول وغیرہ جن کی عام طور پر ضرورت پڑتی ہے یا کسی درد و تکلیف سے دوچار ہونا، جس سے علمی کام جاری رکھنا مشکل ہوتا ہو، مسلمان کی عمر ایسی ہے کہ اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ جس کے دو دن (عمل کے اعتبار سے) برابر ہوئے وہ خسارہ اٹھانے والا ہے۔ ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جو معمولی قسم کی بیماری یا تکلیف کی وجہ سے اپنے مشاغل ترک نہیں کرتے تھے بلکہ علم کے ذریعہ شفاء و سکون حاصل کرتے تھے اور حتی الامکان علم میں مشغول رہتے تھے۔ جیسے کسی نے کہا ہے:

اذا مرضنا تداوینا بذکرکم و نترک الذکر احلالاً فننتکس

یعنی جب ہم بیمار ہوتے ہیں تو تمہاری یاد سے علاج کرتے ہیں اور جب یاد کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو پژمردہ ہو جاتے ہیں۔ نیز اس لیے کہ علم کا درجہ حقیقت میں انبیاء کی وراثت والا درجہ و مقام ہے اور بلندیاں جان کو مشقت میں ڈالے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں۔

''صحیح مسلم'' میں یحیی بن ابی کثیرؒ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بدنی راحت و آسائش سے علم کا حصول ممکن نہیں ہے'' (اخرجہ مسلم ۶۱۲)

نیز ایک حدیث میں فرمایا کہ

''جنت، مشقتوں سے گھیری گئی ہے۔''

(اخرجہ البخاری ۶۴۸۷، ومسلم ۲۸۲۳)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ طالب علموں پر لازم ہے کہ وہ اپنے علم کو بڑھانے کی

مقدور بھر کوشش کریں، اور دورانِ طالبِ علمی کوئی عارض یا رکاوٹ پیش آئے تو اس پر صبر کرے اور اپنے علم کے حصول میں نیت خالص کر لے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہی علم حاصل کرتا ہوں اور اس پر امداد حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت و التجاء کرتا رہے''۔

امام ربیعؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کو تصنیفی مشغولیت کی بناء پر نہ دن کو کھاتے ہوئے دیکھا اور نہ رات کو سوتے ہوئے دیکھا''۔ ان تمام باتوں پر ضرور عمل کرے لیکن طاقت اور ہمت سے زیادہ کام نہ کرنے لگے کہ اس سے اکتاہٹ اور ملول خاطر ہوگا بلکہ بسا اوقات دل ایسا اچاٹ ہو جاتا ہے کہ اس کا تدارک (تلافی) ناممکن ہو جاتی ہے۔ اس لیے ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی کو ہاتھ سے نہ جانے دے، ہر انسان اپنے بارہ خوب بصیرت رکھتا ہے۔

(۱۱) اپنے سے کم درجہ شخص سے استفادہ کرنے میں عار نہ کرے

جو شخص منصب یا نسب یا عمر کے اعتبار سے کم حیثیت رکھتا ہو اس سے استفادہ کرنے میں عار یا شرم نہ کرے، بلکہ جہاں سے فائدہ کی بات ملتی ہو حاصل کرے، حکمت و دانائی، مومن کی گم کشتہ میراث ہے، اس لیے جہاں سے بھی دستیاب ہو وصول کرے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ انسان اس وقت تک عالم رہتا ہے جب تک سیکھتا رہے جب علم حاصل کرنا چھوڑ دے اور یہ سمجھے کہ اب وہ مستغنی ہو گیا ہے اور جس قدر علم اس کے پاس ہے وہ کافی ہے تو وہ جاہل ہے''۔ اسلاف کی ایک جماعت کا حال یہ تھا کہ جب انہیں کسی مسئلہ کا علم نہ ہوتا تو وہ اپنے طلباء سے استفادہ کرتے تھے۔

امام شافعیؒ کے شاگردِ رشید امام حمیدیؒ فرماتے ہیں کہ میں مکہ سے مصر تک اپنے استاذ امام شافعیؒ کے ساتھ رہا، اس دوران میں ان سے مسائل کا استفادہ کرتا تھا اور وہ مجھ سے احادیث کا استفادہ کرتے تھے۔''

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ''امام شافعیؒ نے ہم سے فرمایا کہ تم مجھ سے زیادہ حدیث جانتے ہو اس لیے جب کوئی حدیث تمہارے نزدیک صحیح درجہ کی ہو تو ہمیں بتا دینا تاکہ ہم اس پر عمل کریں۔''

ان سب باتوں سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کا حضرت ابی بن کعبؓ کے سامنے قرآن پڑھنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے کہ میں تیرے سامنے سورۃ البیّنہ پڑھوں''

اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ فاضل کو مفضول سے استفادہ کرنے میں ہچکچانا نہیں چاہئے۔ (اخرجہ الترمذی:۳۷۹۳)

(۱۲) تصنیفی اور تالیفی کام میں برابر مشغول رہے

اگر عالم تصنیفی کام کی اہلیت اور صلاحیت رکھتا ہو تو اسے تالیف وتصنیف اور جمع و ترتیب کا کام ضرور کرتے رہنا چاہئے کیونکہ جب کتب کا مطالعہ کرے گا بحث وتفتیش کرے گا اور مراجعت ومصادرت کرے گا تو بہت سے علوم وفنون کے حقائق اور دقائق اس پر کھلیں گے۔ جیسا کہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تصنیفی کام سے حافظہ مضبوط، دل بیدار، ذہن تیز اور گفتار عمدہ ہو جاتی ہے، اور لوگوں میں نیک نامی اور اجرِ عظیم ملتا ہے، نیز تصنیفی کام سے مصنف ایک عرصہ تک زندۂ جاوید رہتا ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایسا کام کرے جس کا نفع عام وتام ہو اور جس کی ضرورت زیادہ ہو، اور جو کام پہلے نہ ہوا ہو اس کو ترجیح دے، نیز تحریر بالکل صاف اور واضح ہو، بات کو خواہ مخواہ اتنا طول بھی نہ دے جس سے طبیعت میں اکتاہٹ پیدا ہو اور نہ اتنی مختصر کرے کہ اصل مقصود سمجھنے میں خلل واقع ہو، اس کے علاوہ ہر تصنیف میں اس کے لائق اور مناسب امور کا بھی خیال رکھے۔ جب تک نظر ثانی نہ کر لے، اور کلام کی ترتیب وتہذیب نہ کر لے مطمئن ہو کر نہ بیٹھے۔ آج کل کچھ ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو تصنیفی اور تالیفی کام کو ناپسند سمجھ کر

باصلاحیت لوگوں کو اس سے منع کرتے ہیں، حالانکہ اس ناپسندیدگی کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے، ایسے لوگ صرف اپنے ہمعصر لوگوں سے آگے بڑھنے کی کوشش میں ہوتے ہیں، کیوں کہ جو شخص اپنی دوات اور قلم کو استعمال میں لاتے ہوئے کوئی اشعار اور جائز قسم کی حکایات سپردِ قلم کرتا ہے اس کو وہ نہیں روکتے اور اس کو ناپسند نہیں سمجھتے پھر جو شخص علوم شرعی کو تحریر میں لاتا ہے جس سے عام لوگوں کو نفع بھی پہنچتا ہے تو اس کو ناپسند اور معیوب سمجھنا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

ہاں البتہ جو شخص تصنیفی کام کا اہل نہ ہو اس کو روکنا ضروری ہے کیوں کہ ایسا شخص جہالت کے سوا کچھ نہیں لکھے گا اور ایسے کام میں اپنا وقت ضائع اور برباد کرے گا جس کام میں اس کو رسوخ حاصل نہیں ہے، حالانکہ تصنیفی کام کے لئے مکمل طور راسخ اور پختہ کار ہونا ضروری ہے۔

فصل دوئم

﴿معلم کو اپنے درس میں کن آداب کا خیال رکھنا چاہئے؟﴾

اس میں بھی بارہ انواع ہیں:

(۱) درس گاہ میں جانے سے پہلے طہارت حاصل کرے اور دو رکعت نمازِ استخارہ پڑھے

معلم اور عالم کو چاہئے کہ مسند تدریس پر بیٹھنے سے قبل ہر طرح کی پاکی حاصل کرے، اور علم دین کی تعظیم اور احترام کی نیت سے شایانِ شان عمدہ لباس زیبِ تن کرے۔

امام مالک رحمہ اللہ کے پاس جب لوگ حدیث سیکھنے کے لئے آتے تھے تو امام

مالکؒ پہلے غسل کر کے عمدہ پوشاک پہنتے تھے اور خوشبو لگاتے تھے، دستار باندھتے پھر مسند پر جلوہ افروز ہوتے اور درسِ حدیث سے فارغ ہونے تک عود خوشبو مہکتی رہتی۔ آپ فرماتے کہ ''میں چاہتا ہوں کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کروں۔'' پھر اگر وقتِ مکروہ نہ ہو تو دو رکعت نمازِ استخارہ پڑھے اور علم کی نشر و اشاعت، شرعی فوائد اور احکامِ خداوندی کی تبلیغ کی نیت کرے جن احکام کی تبلیغ و بیان کا اس کو مکلّف بنایا گیا ہے، نیز علمی ترقی کے لئے دُعا کرے اور حق بات کی طرف رجوع اور اس کا اظہار کرے، اللہ تعالیٰ کے ذکر پر جمع ہو، مسلمان بھائیوں کو سلام کرے اور تمام مسلمانوں اور سلفِ صالحین کے لئے دعائیں کرے۔

(۲) گھر سے نکلتے وقت مسنون دعا پڑھنے اور دورانِ درس بیٹھنے کی کیفیت و حالت

جب گھر سے نکلے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول یہ دُعا پڑھے:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ عَزَّ جَارُکَ وَ جَلَّ ثَنَاؤُکَ وَ لَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ﴾

(الترمذی: ۳۴۲۷، وابن ماجہ: ۳۸۸۴، والنسائی: ۸/ ۲۷۸، وابوداؤد: ۵۰۹۴)

پھر یہ دُعا پڑھے:

﴿بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ حَسْبِیَ اللّٰہُ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ، اَللّٰھُمَّ اثبت جَنَانِیْ وَ اَدِرِ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِیْ﴾

مسندِ تدریس تک پہنچنے تک اللہ تعالیٰ کا برابر ذکر کرتا رہے، جب درس گاہ میں

پہنچے تو حاضرین کو سلام کرے اور اگر مکروہ وقت نہ ہو تو دو رکعت پڑھے، اگر مسجد ہو تو پھر ضرور نماز پڑھے۔

پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے کہ اس کو توفیق عطا فرمائے، اس کی امداد فرمائے اور اس کی ہر بلا سے حفاظت فرمائے، پھر اگر ہو سکے تو قبلہ رخ ہو کر وقار، سکون، تواضع اور عاجزی کے ساتھ بیٹھ جائے، بیٹھنے میں کوئی ایسی حالت اور ہیئت اختیار نہ کرے جسے برا سمجھا جاتا ہو، مثلاً پنڈلی اور ران کو ملا کر ان کو کھڑا کر کے کولھوں پر نہ بیٹھے اور نہ اس انداز میں بیٹھے کہ جیسے اٹھنے کے لئے تیار ہو اور نہ ہی ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھ کر بیٹھے اور نہ ہی بلا عذر دونوں پاؤں یا ایک پاؤں پھیلا کر بیٹھے اور نہ ہی اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر ایک جانب کو جھک کر بیٹھے، نیز معلم کو چاہئے کہ دورانِ درس اپنی جگہ سے ادھر ادھر نہ ہو اور اپنے ہاتھوں کو عبث کاموں سے بچائے، ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں نہ ڈالے اور بلا وجہ اپنی نگاہ کو دائیں بائیں نہ پھیرے۔ اور زیادہ ہنسنے اور مزاح کرنے سے اجتناب کرے، اس سے رعب اور وقار میں کمی آتی ہے۔ جیسے کسی نے کہا ہے کہ جو شخص مزاح کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے اور جس چیز کا زیادہ ذکر کرے گا اسی چیز میں معروف ہوگا۔ اور بھوک، پیاس، پریشانی، غصہ یا نیند یا اونگھ یا اضطراب کی حالت میں نہ پڑھائے اور نہ ہی تکلیف دہ سردی کی حالت میں یا پریشان کن گرمی کی حالت میں نہ پڑھائے، ایسی صورت میں کسی مسئلہ کا جواب یا فتویٰ غلط صادر ہو سکتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں پوری توجہ اور کامل غور و فکر اس کے لئے ممکن نہ ہوگا۔

(۳) حاضرین کے سامنے نمایاں ہو کر بیٹھے اور ان کے ساتھ لطف و مہربانی والا معاملہ کرے

نیز معلم کو چاہئے کہ حاضرینِ مجلس کے سامنے باوقار اور نمایاں انداز میں بیٹھے

اور علم، عمر اور مقام ومرتبہ میں جو اعلیٰ ہو اس کا اکرام کرے اور ان کی توقیر کرے اور باقیوں کے ساتھ بھی لطف ومہربانی سے پیش آئے اور ان کے ساتھ خندہ پیشانی اور حسنِ سلوک سے پیش آئے، اکابرین کے احترام اور اکرام میں کھڑے ہو جانا مکروہ نہیں ہے۔ علماء اور طلبائے علم کے اکرام کے بارے میں بہت سی نصوص موجود ہیں۔ معلم کو چاہئے کہ حاضرین کی طرف بحسب ضرورت معتدل طریقہ سے التفات اور توجہ کرے اور جو اس سے کوئی بات کرنا چاہے یا مسئلہ پوچھنا چاہے یا بحث کرنا چاہے تو اس کو زیادہ توجہ دے اگرچہ وہ عمر میں یا مرتبہ میں چھوٹا ہو۔ کیوں کہ ایسی صورت میں توجہ نہ دینا متکبرین کا شیوہ ہے۔

(۴) سبق کا آغاز آیتِ قرآنی اور دُعاء سے کرے

معلم کو چاہئے کہ بحث وتدریس سے پہلے کتاب اللہ کی چند آیات تبرکاً تلاوت کرے اور اگر مدرسہ میں اس کو لازمی قرار دیا گیا ہو تو اس کی ضرور پابندی کرے اور تلاوت کے بعد اپنے لیے، حاضرینِ مجلس کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دُعا کرے۔ پھر اعوذ باللّٰہ اور بسم اللّٰہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرے اور پھر حضورِ اقدس ﷺ اور آپ ﷺ کی آل واصحاب رضی اللہ عنہم پر درود شریف بھیجے، اور مسلمانوں کے ائمہ ومشائخ کو بھی اچھے نام سے یاد کرے اور اپنے لیے اور حاضرینِ مجلس اور ان کے والدین کے لئے بھی دعائے خیر کرے۔

بعض لوگ ادب اور تواضع کی وجہ سے دُعا میں اپنا ذکر بعد میں کرتے ہیں، حالانکہ دُعا بذاتِ خود عبادت ہے جس کا وہ محتاج بھی ہے، اس بناء پر عبادت میں دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا درست نہیں ہے جب کہ وہ عبادت کا شرعاً محتاج ہے۔

ہماری اس بات کی تائید اس فرمانِ باری تعالیٰ سے ہوتی ہے:

﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ (التحریم: ۵)

یعنی ''اپنے آپ کواور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔''

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اپنی ذات سے (خرچ کرنے کی) ابتداء کرو، پھر ان پر (خرچ کرو) جو تمہارے زیرِ پرورش ہوں'' (اخرجہ بنحوہ مسلم: ۹۹۷)

اس حدیث کا تعلق اگرچہ انفاقِ مال سے ہے لیکن محققین کے نزدیک اس کا محل آخرت کے امور ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دونوں طریقے درست ہیں، خواہ دعا میں اپنا ذکر پہلے کرے یا بعد میں کرے۔ کسی نے پہلے طریقہ کو اختیار کیا اور کسی نے دوسرا طریقہ اپنا لیا۔

(۵) اسباق میں ترتیب کا خیال رکھے

جب اسباق زیادہ ہوں، تو جو سبق سب سے اہم ہو اس کو پہلے پڑھائے۔ لہٰذا پہلے قرآنِ کریم کی تفسیر پڑھائے، پھر حدیثِ پاک، پھر اصولِ دین، پھر اصولِ فقہ، پھر مذاہب پھر علم الخلاف یا علم النحو یا علم الجدل والمناظرہ پڑھائے۔ یعنی اسباق زیادہ ہونے کی صورت میں مراتب و درجات کا خیال ملحوظ رکھے۔ بعض علماء کے ہاں رواج ہے کہ وہ آخری سبق وعظ و نصیحت کا رکھتے ہیں تا کہ حاضرینِ مجلس کو فائدہ ہو کہ اپنے باطن کو وعظ و نصیحت، رقت اور زہد و صبر سے مزین کر سکیں، اور اگر مدرسہ میں اس کا معمول ہو اور اسباق کی ترتیب میں اس طریقہ کو بطورِ شرط لازمی قرار دیا گیا ہو تو پھر ضرور اتباع کرے لیکن جو سبق زیادہ اہمیت کا حامل ہو جس پر ساری بنیاد قائم ہو، اس میں خلل واقع نہ ہونا چاہئے۔ اور موقع و مقام کی مناسبت سے جہاں کلام کو جاری رکھنا ضروری معلوم ہو وہاں کلام جاری رکھے اور جہاں انقطاع اور توقف ضروری ہو تو وہاں توقف کرے۔ نیز معلم کو چاہئے کہ ایسا نہ کرے کہ ایک سبق میں کوئی شبہ و اعتراض ذکر کرے اور اس کا جواب دوسرے سبق میں دے، بلکہ یا تو اعتراض اور اس کا جواب دونوں ایک ساتھ ایک ہی سبق

میں ذکر ے یا پھر دونوں کا ذکر نہ کرے، خصوصاً جب سبق میں عام و خاص ہر قسم کا آدمی موجود ہو۔

نیز معلم کو چاہیے کہ سبق کو اتنا لمبا نہ کرے کہ اس سے اکتاہٹ پیدا ہونے لگے اور نہ اتنا مختصر کرے کہ مقصود سمجھنے میں خلل واقع ہو، اس سلسلہ میں حاضرینِ مجلس کی مصلحت کا لحاظ کرے، اسی طرح موقع ومحل کو دیکھ کر کوئی کلام یا بحث پیش کرے یا مقدم و مؤخر کرے۔

(۶) بات واضح اور صاف کرے اور ضرورت سے زائد نہ کرے

معلم کو چاہیے کہ اپنی آواز بلاضرورت بلند نہ کرے اور اتنی پست بھی نہ کرے کہ اس سے کمالِ فائدہ حاصل نہ ہو۔ خطیب نے ''الجامع'' میں روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ پست آواز کو پسند فرماتے ہیں اور بلند آواز کو ناپسند کرتے ہیں۔'' (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع:۹۸۶)

ابوعثمان محمد بن الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو کبھی نہیں سنا کہ آپ نے مناظرہ کے دوران اپنی آواز کو بلند کیا ہو۔'' امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام شافعیؒ عام عادت سے زیادہ اپنی آواز بلند نہیں کرتے تھے۔

اس لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کی آواز مجلس تک محدود رہے کہ حاضرینِ مجلس بآسانی سن سکیں، لیکن اگر ان حاضرین میں کوئی اونچا سننے والا شخص موجود ہو تو پھر بقدرِ ضرورت آواز بلند کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ حدیث میں اس کی فضیلت آئی ہے۔

نیز معلم اپنی گفتگو جلدی جلدی تسلسل کے ساتھ نہ کرے بلکہ آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرے تا کہ وہ خود بھی اور اس کے سامعین بھی اس میں غور وفکر کر سکیں۔

احادیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی گفتگو میں ہر کلمہ جدا جدا ہوتا تھا کہ ہر سننے والا شخص بآسانی سمجھ لیتا تھا اور آپ ﷺ ہر (اہم) بات تین بار دہراتے تھے تاکہ ہر ایک کی سمجھ میں آجائے۔ جب ایک مسئلہ یا بحث کو بیان کرکے فارغ ہوتو تھوڑی دیر کے لئے سکوت اختیار کرے، ہم عنقریب ان شاء اللہ یہ بات بھی ذکر کریں گے کہ عالم کو دورانِ گفتگو ٹوکنا نہیں چاہئے، جب وہ درمیان میں سکوت یا توقف نہیں کرے گا تو بہت ممکن ہے کہ اصل مقصود حاصل نہ ہو۔

(۷) عالم کی مجلس شوروغُل سے خالی ہو

ایک عالم کو چاہئے کہ اس کی مجلس شوروغل سے خالی ہو، کیوں کہ شوروغوغا سے غلط تاثر قائم ہوتا ہے اور اس کی مجلس میں لوگوں کی آوازیں بلند نہ ہوں اور موضوع بحث سے انحراف نہ ہو۔

امام ربیعؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی انسان امام شافعیؒ سے کسی مسئلہ میں بحث کرتا اور وہ کسی دوسرے مسئلہ کی طرف چلا جاتا تو آپ فرماتے کہ پہلے اس مسئلہ سے فارغ ہو لیتے ہیں پھر اس دوسرے مسئلہ کو دیکھ لیں گے۔'' نیز اس کو چاہئے کہ غصہ کرنے کی بجائے نرم انداز میں سمجھائے، حاضرین کو وہ احادیث یاد دلائے جن میں لڑائی جھگڑے کی ممانعت آئی ہے، خاص طور پر جب حق واضح ہو جائے، کیوں کہ مِل کر بیٹھنے سے مقصود ہی یہ ہے کہ حق بات کا پتہ چلے، قلوب صاف ہوں اور فائدہ حاصل ہو۔ مقابلہ بازی اور لڑائی جھگڑا اہلِ علم کے شایانِ شان نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیز آپس میں بغض وعداوت پیدا ہونے کا سبب ہے۔

بناء بریں ضروری ہے کہ مِل بیٹھنے سے اصل غرض صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہو۔ تاکہ دنیا کے فائدے اور آخرت کی سعادت میں کامل امتیاز ہو جائے۔ نیز اس ارشادِ ربانی کو یاد کرتا رہے:

﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾

(الانفال: ۷)

''یعنی تا کہ حق بات کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت ہو جائے، اگرچہ مجرموں کو ناگوار گزرے۔''

اس آیت سے یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ درست بات کو غلط ثابت کرنا یا غلط بات کو درست ثابت کرنا مجرم لوگوں کا کام ہے، لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

(۸) حاضرینِ مجلس کو سوءِ ادب پر تنبیہ کرے

جو بحث کرنے میں حد سے تجاوز کرے یا بحث کے دوران اس سے بے ادبی یا بغض ظاہر ہو یا حق واضح ہو جانے کے بعد انصاف سے کام نہ لے یا بے فائدہ شور وغوغا کرے یا حاضرین یا غائبین میں سے کسی کی بے ادبی کرے یا مجلس میں اپنے سے اعلیٰ آدمی کے سامنے خواہ مخواہ آواز بلند کرے یا سو جائے یا دوسرے کے ساتھ گفتگو کرنے لگے یا ہنسنے لگے یا حاضرین میں سے کسی کا مذاق اڑائے یا کوئی ایسا کام کرے جو مجلس کے اندر ایک طالب علم کے آداب کے خلاف ہو تو ان تمام صورتوں میں اس کو تنبیہ کرے اور ڈانٹ پلائے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آ رہی ہے۔ لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس تنبیہ سے کوئی فساد پیدا نہ ہو۔ مناسب ہے کہ طلباء میں ایک سمجھ دار اور تربیت یافتہ نگران موجود ہو جو حاضرین کو باسلیقہ رکھے، ہر ایک کو اپنے درجہ اور مرتبہ میں رکھے، سونے والے کو بیدار کرے اور ضروری کام کو ترک کرنے والے یا نامناسب کام کو کر گزرنے والے طالب علم کو اشارہ کر سکے اور تمام اسباق خاموشی اور پوری توجہ کے ساتھ سننے کا امر کر سکے۔

(۹) لاعلمی کی صورت میں حقیقت واضح کردے

اپنی تقریر اور بحث وتدریس میں انصاف کا دامن تھامے رکھے، یعنی اگر کسی کی طرف سے کوئی معقول سوال یا اعتراض سنے تو سائل کو نہ ٹوکے ورنہ مقصود حاصل نہ ہوگا۔ اگر سائل اپنے اعتراض کی تقریر یا توضیح کرنے سے عاجز ہو یا حیا وشرم یا کسی کمی وکوتاہی کی بناء پر عبارت تحریر کرنے سے قاصر ہو تو اس کے اعتراض کو واضح کرنے کے بعد خود اس کا جواب دے یا کسی دوسرے سے اس کا جواب طلب کرے اور اگر ایسی بات پوچھی جائے جس کو وہ نہیں جانتا تو صاف کہہ دے کہ میں اس بات کا علم نہیں رکھتا یا مجھے یہ بات معلوم نہیں ہے، کیونکہ لاعلمی کے موقع پر اپنی لاعلمی کا اظہار کرنا بھی علم ہے۔ جیسا کہ بعض حضرات سے منقول ہے کہ "لا ادری" کہنا نصف علم ہے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب عالم اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتا ہے (یعنی اپنی لاعلمی کا) تو اس کا مدمقابل چت ہو جاتا ہے۔"

بعض کہتے ہیں کہ عالم کو چاہیئے کہ اپنے شاگردوں کو بھی "لاادری" (میں نہیں جانتا) جملہ کا عادی بنائے۔

محمد بن عبدالحکیمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے متعہ کے بارے میں پوچھا کہ اس صورت میں طلاق یا میراث ہوگی یا واجبی نفقہ یا گواہی ہوگی؟ فرمایا کہ خدا گواہ ہے کہ میں نہیں جانتا۔" یاد رکھیئے کہ مسئول کا سائل کے جواب میں "لاادری" کہنا اس کی قدر وعظمت کو نہیں گھٹاتا جیسا کہ بعض جاہلوں کا خیال ہے، بلکہ اس سے اس کا مرتبہ بلند ہوگا، اس لیے کہ اپنی لاعلمی کا اظہار، اس کے مقام کی عظمت، دینی قوت، قلبی طہارت، کمالِ معرفت اور تقویٰ و پرہیزگاری کی عظیم دلیل ہے۔ اور "لاادری" کہنے سے وہی شخص عار وننگ محسوس کرے گا جو دیانت میں کمزور اور معرفت میں کم ہوگا، اسی کو ڈر ہوگا کہ کہیں وہ لوگوں کی نظروں سے نہ گر جائے، حالانکہ یہ نری جہالت ہے۔ کیوں کہ

ایسا شخص بسا اوقات لوگوں میں غلط کار مشہور ہو جاتا ہے، پھر وہ ان سے آنکھیں چراتا پھرتا ہے اور فرار کی راہیں ڈھونڈتا ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے علماء کو ادب سکھا دیا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا کہ کیا اس وقت روئے زمین پر آپ سے بڑا عالم موجود ہے؟ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کی تو ان کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم دیا گیا۔

(۱۰) سبق کے دوران مہمان آجائے تو اس کی پاس داری کرے

اگر دورانِ سبق کوئی مسافر آجائے تو خندہ پیشانی سے ملے، اس کے ساتھ تعلق ومحبت کا اظہار کرے، کیونکہ آنے والا شخص حیرانگی سے دوچار ہوتا ہے، نیز اس کی طرف متعجبانہ نظر سے نہ دیکھے اور نہ زیادہ التفات کرے، کیونکہ اس سے وہ شرمندہ ہوگا۔ اگر کوئی عالم فاضل آدمی ایسے وقت میں آجائے کہ وہ کوئی مسئلہ شروع کر چکا ہو تو اس کو رُک جانا چاہئے حتی کہ وہ آکر بیٹھ جائے۔ اور جب ایسے وقت آجائے کہ وہ کسی مسئلہ پر بحث کر رہا تھا تو اس کے سامنے اس مسئلہ کا اعادہ کرے یا اس کا مقصود بیان کرے۔ اسی طرح اگر وہ کسی مسئلہ پر بحث کر رہا ہو اور ادھر سے کوئی فقیہ (عالم) آجائے اور اس عالم وفقیہ کے مجلس میں پہنچنے تک وہ اپنے سبق سے فارغ بھی ہوسکتا ہے اور جماعت اٹھ کر جاسکتی ہے پھر بھی اپنی بقیہ تقریر کو مؤخر کردے اور اس بحث وغیرہ کو ترک کردے، حتی کہ وہ فقیہ وعالم مجلس میں آبیٹھے، پھر اس مسئلہ کو دہرائے یا بقیہ تقریر کو پورا کرے تاکہ آنے والا حاضرین کے کھڑے ہونے کی وجہ سے شرمندہ نہ ہو۔

(۱۱) سبق کے اختتام پر مدرس کیا کہے؟

عام طریقہ تو یہ ہے کہ سبق کے اختتام پر مدرس کہے، واللہ اعلم، مفتی بھی جواب لکھنے کے بعد اسی طرح لکھے۔ لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اختتام سے کچھ پہلے ایسے الفاظ

کہے جس سے معلوم ہو کہ اب سبق ختم ہو رہا ہے، جیسا کہ یہ کہنا ھذا آخرہ یعنی اب سبق ختم ہوا چاہتا ہے یا کہے مابعدہ یأتی ان شاء اللّٰہ تعالٰی، یعنی اس کے بعد والا مسئلہ ان شاء اللہ بعد میں ذکر ہوگا۔ اور ''واللّٰہ اعلم'' کہنے سے اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو۔

اسی لیے ہر سبق ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع کرنا چاہئے، تاکہ ابتداء بھی اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے ہو اور انتہاء بھی اس کے ذکرِ پاک سے ہو۔

مدرس کے لئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ جماعت کے کھڑے ہونے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے بیٹھا رہے اس کے بڑے فائدے ہیں، ایک فائدہ یہ ہے کہ اس طرح آپس میں مزاحمت (ٹکراؤ) نہیں ہوگی اور اگر کسی کے ذہن میں کوئی شبہ وغیرہ ہو تو وہ پوچھ لے گا اور ایک فائدہ یہ ہے کہ ان کے سامنے سواری پر سوار نہ ہوگا، اگر اس کے پاس سواری وغیرہ موجود ہو، جب مجلس سے اٹھے تو مستحب ہے کہ مسنون دعا پڑھے:

﴿سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ﴾

(اخرجه الترمذی: ۳۴۳۳، والحاکم ۱/۵۳۶، و ابن حبان: ۵۹۴)

(۱۲) مدرّس، تدریس کا اہل ہو

نااہل کو تدریس کے منصب پر فائز نہیں کرنا چاہئے اور ایسا سبق جس پر وہ کامل دسترس نہ رکھتا ہو، نہیں دینا چاہئے۔ کیونکہ اگر نااہل کو تدریس کے منصب پر بٹھایا گیا تو یہ دین کو کھیل تماشہ بنانے کے مترادف ہوگا۔ اور اسی طرح لوگوں میں اس کی ذلت و رسوائی ہوگی اور دین پر عیب لگے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ایسی چیز سے شکم سیری ظاہر کرنے والا جو اس کو نہیں دی گئی ایسا

ہے جیسے جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا۔"

(اخرجہ البخاری ۵۲۱۹، ومسلم: ۲۱۳۰، من حدیث اسماء بنت ابی بکر)

اسی طرح امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص بے محل، ریاست وسرداری کا طالب ہوتا ہے وہ ہمیشہ ذلت ورسوائی اٹھاتا ہے۔

امام شبلیؒ کا قول ہے کہ جو شخص وقت سے پہلے اپنے لوگوں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے وہ حقیقت میں اپنی ذلت وخواری کا سامان کرتا ہے۔

لہٰذا عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنے آپ کو ہر اس کام سے دور رکھتا ہے جس (کام) کو کرنے والا ظالم یا ناقص یا فاسق قرار دیا جا سکتا ہو، یعنی ایسے کام میں نہیں پڑتا جس پر اس کو کامل دستگاہ حاصل نہ ہو، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسکا نتیجہ سوائے ذلت ورسوائی اور خجالت وشرمندگی کے کچھ نہیں ہے۔

فصل سوئم

﴿اپنے طالب علموں کیساتھ کن آداب کی رعایت ملحوظ رکھے؟﴾

اس میں چودہ انواع ہیں:

(۱) تدریس سے اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو

طلباء کی تعلیم وتہذیب سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، نیز علم کی اشاعت، شریعت کے احیاء، حق کے اظہار اور باطل کے ابطال، کثرتِ علماء کے سبب خیرِ امت کے لقب پر دوام اور ان کے ثواب کو غنیمت جاننے اور ان طلباء کے واسطہ سے جن لوگوں تک علم پہنچے گا اس پر ثواب کے حصول اور علم کے مبارک سلسلہ میں داخل ہونے اور مبلغینِ احکام کے گروہ میں شامل ہونے کی نیت کرے، اس لیے کہ دین کی تعلیم وتدریس دین

کے اہم امور میں سے ہے اور مومنین کے درجات کی بلندی کا سبب ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، آسمانوں وزمین کی مخلوقات حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں ایسے شخص کے لئے دعائیں کرتی ہیں جو لوگوں کو دین کی بات سکھاتا ہے۔''

خدا کی قسم! یہ ایک عظیم منصب ہے اور اس کا حصول عظیم کامیابی اور سعادت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی برکات وانوارات سے محروم نہ فرمائے۔

(۲) اگر طالبِ علم کی نیت خالص نہ بھی ہو تو بھی اس کو تعلیم دے

معلم کو چاہئے کہ جس طالبِ علم کی نیت خالص اور اچھی نہ ہو اسے بھی اپنے علم سے مستفید ہونے دے، منع نہ کرے، کیونکہ علم کی برکت سے نیت کے اچھے ہونے کی امید ہے۔

کسی کا قول ہے کہ ہم نے ابتداء میں علم غیر اللہ کے لئے حاصل کیا مگر بالآخر وہ اللہ کے سوا اور کسی کا نہ بنا'' بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس علم کا انجام خدا تعالیٰ کی رضا ہی ہوا، نیز اگر مبتدی طلباء کے لئے ان کی تعلیم میں اخلاص نیت کو شرط لگایا جائے تو بہت سے لوگ علم سے محروم ہو جائیں گے، البتہ استاذ کو چاہئے کہ قولاً وفعلاً درجہ بدرجہ اور گاہے بگاہے اخلاصِ نیت کی ترغیب دیتا رہے اور جب وہ استاذ سے مانوس ہو جائے تو اس کو بتائے کہ وہ (شاگرد) حسنِ نیت کی برکت سے علم وعمل کے مراتبِ عالیہ کو حاصل کر سکتا ہے اور اس کی برکت سے لطائف واسرار وحکم اس پر کھل سکتے ہیں، اس کا قلب منور اور سینہ کھل سکتا ہے اور اس کا حال وقال درست ہو سکتا ہے اور اس کو قیامت کے دن بلند درجات نصیب ہو سکتے ہیں۔

(۳) اپنے طالبِ علموں کو علم کی ترغیب اور انکے قلوب کی اصلاح و تہذیب کرے

معلم کو چاہئے کہ اپنے طلباء کو زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی ترغیب دے، نیز ان کے سامنے ان مراتبِ عالیہ و درجاتِ رفیعہ کا ذکر کرے جو اللہ تعالیٰ نے علماء کے لئے تیار کر رکھے ہیں، نیز ان کو بتائے کہ وہ انبیاء کے وارث ہیں اور قیامت کے دن نور کے منبروں پر ہوں گے جنہیں دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے (الحدیث)۔ علاوہ ازیں آیات و احادیث اور واقعات و اشعار میں علم اور علماء کے جو فضائل و مناقب آئے ہیں ان کا تذکرہ کرے۔

نیز ان کو ترغیب دے کہ وہ ایسا کام کریں جو علم کے حصول میں ممد و معاون ہو، ان کو تعلیم دے کہ دنیا کے معاملہ میں بقدرِ کفایت اور تھوڑے پر قناعت کرے، ورنہ دل دنیا کے مال و متاع کے ساتھ وابستہ ہو جائے گا، اس کا ذہن مختلف غموم و ہموم میں مبتلا ہو جائے گا، کیوں کہ دل دنیا کی طمع سے جتنا دور ہوگا اتنا ہی اس کے دِل کو اطمینان روح کو سکون اور بدن کو راحت حاصل ہوگی اور اس کی ذات باشرف اور مرتبہ بلند ہوگا اور حاسدین کم ہوں گے اور علم میں ترقی حاصل ہوگی۔

اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جو طالبِ علم ابتداء ہی سے فقر و فاقہ، قناعت پسندی اور دنیا کے ناپائیدار ساز و سامان کی طلب سے پہلو بچاتا ہے اسے ہی علم سے وافر حصہ نصیب ہوتا ہے۔ متعلّم کے آداب میں اس نوع کا ذکر تفصیل سے بیان ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۴) طالبِ علم کی خیر خواہی کرے اور اس کے مصالح کو پیشِ نظر رکھے

معلم کو چاہئے کہ اپنے طالب علموں کے لئے وہی بات پسند کرے جو وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہے اور ان کے لیے وہی بات ناپسند کرے جو وہ خود اپنے لیے ناپسند

کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میری نظر میں سب سے زیادہ باعزت میرا وہ مصاحب ہے جو لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر میرے پاس آتا ہے کہ اگر میری استطاعت میں ہو کہ اس پر مکھی نہ بیٹھے تو میں ضرور ایسا کروں" ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں، "اس پر مکھی بیٹھے گی تو مجھے تکلیف پہنچے گی"۔

طالب علموں کے مصالح و منافع کو پیشِ نظر رکھے اور ان کے ساتھ اپنی پیاری اولاد کی طرح سلوک کرے یعنی ان کے ساتھ شفقت و رأفت اور احسان والا معاملہ کرے، زیادتی پر صبر کرے، ہوسکتا ہے کہ ان کی طرف سے کوئی نقص یا ادب میں کوتاہی پائی جائے تو اس سے درگزر کرے کیونکہ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی نقص اور عیب ہوتا ہے، اس لیے ایسی صورت میں نرمی اور خیر خواہی کے انداز میں سمجھائے، شدت اور سختی سے پیش نہ آئے، اور اس سے مقصد ان کی حسنِ تربیت، تحسینِ اخلاق اور اصلاحِ احوال ہو۔ اگر طالبِ علم اپنی ذہانت کی بناء پر صرف اشارہ سے سمجھ جائے تو صریح الفاظ میں بتانے اور سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر صریح الفاظ کے بغیر نہ سمجھتا ہو تو پھر اشارہ سے سمجھانے کی بجائے صریح الفاظ میں سمجھائے، معلم کو چاہیئے کہ طالب علموں کو اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ کرے اور اخلاقِ حسنہ اپنانے کی ترغیب دے۔

(۵) طالبِ علموں کو نرمی سے سمجھائے

معلم کو چاہیئے کہ تعلیم کے لئے آسان اسلوب اختیار کرے اور بات سمجھانے میں مشفقانہ انداز اختیار کرے خصوصاً جب طالبِ علم اپنی جودتِ طلب اور حسنِ ادب کی وجہ سے اس کا اہل بھی ہو۔ طالب علموں کو فوائد کی طلب اور نادر و عمدہ مباحث کے یاد کرنے پر آمادہ اور راغب کیا کرے اگر وہ باصلاحیت ہو اور کوئی علمی بات پوچھے تو منع نہ کرے ورنہ اس کے دل میں نفرت اور وحشت پیدا ہوگی۔ البتہ نااہل کے سامنے علمی قسم کی

بات نہ کرے، کیونکہ اس سے اس کا ذہن انتشار وافتراق کا شکار رہوگا، اگر ایسا طالبِ علم کوئی علمی بات دریافت کرے تو اس کو نہ بتائے بلکہ اسے باور کرائے کہ اس سے نفع کی بجائے نقصان ہوسکتا ہے اور میرا نہ بتانا ازراہِ شفقت ومہربانی ہے، بخل کی وجہ سے نہیں ہے، پھر اس کو زیادہ سے زیادہ محنت کرنے کی ترغیب دے تاکہ وہ اس قابل ہو سکے۔ قرآنِ حکیم کی آیت میں جو "ربّانی" کا ذکر آتا ہے اس کی تفسیر میں ایک قول یہ مروی ہے کہ ربانی وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی تربیت علم کی بڑی باتوں سے پہلے چھوٹی باتوں سے کرتے ہیں۔

(٦) طالبِ علم کو سمجھانے کی بھرپور کوشش کرے

معلم کو چاہئے کہ طالبِ علم کو سمجھانے کی حتی المقدور کوشش کرے کہ بات اس کی سمجھ میں آجائے، اتنی زیادہ بحث بھی نہ کرے جس کا اس کا ذہن متحمل نہ ہو اور نہ ہی اتنی شرح وبسط سے کام لے جس کو اس کا حافظہ ضبط نہ کرسکے۔ طالبِ علم کی ذہنی سطح کا ہر لمحہ لحاظ رکھے۔ ضرورت کے تحت اپنی بات کی وضاحت کرے اور مکرر ذکر کرے، پہلے صورتِ مسئلہ بتائے، پھر مثالوں سے اس کی وضاحت کرے اور دلائل ذکر کرے اور مسئلہ کے اصل مآخذ کا بھی ذکر کرے، اور غبی کے سامنے صرف مسئلہ کی صورت اور اس کی مثالوں سے وضاحت کردے۔ لیکن جو طالبِ علم دلائل ومآخذ کا متحمل ہو اس کے سامنے مسئلہ کے دلائل اور مآخذ بھی ذکر کرے اور اس کے اسرار وحِکَم اور اسباب وعلل بیان کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، معلم کو چاہیے کہ اپنی عبارت صاف اور شستہ لائے اور اس میں کسی عالم کی شان میں تنقیص وغیرہ نہ کرے، اگر کسی طالبِ علم کو کسی حکم یا تخریج یا نقل میں کوئی شبہ یا وہم ہو تو ناصحانہ انداز اور خوبصورت طریقہ سے اس کی توضیح کرے اور اس مسئلہ کے مشابہ اور مناسب دیگر مسائل کا بھی ذکر کرے اور دونوں کے احکام کے اصل ماخذ اور ان میں فرق کو بھی واضح کرے۔

اگر دورانِ فہمائش قابلِ حیاء لفظ ذکر کرنے کی ضرورت ہو اور صریح انداز میں ذکر کیے بغیر مسئلہ واضح نہ ہوتا ہو تو صراحۃً ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر کنایۃً ذکر کرنے سے مقصود حاصل ہو جائے اور مطلب واضح ہو جائے تو صراحۃً ذکر نہ کرے بلکہ کنایۃً ذکر کرے۔ اسی طرح اگر سبق کی مجلس میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جس کی موجودگی میں اس مسئلہ کا ذکر حیاء وغیرہ کے سبب نامناسب ہو تو تصریح کی بجائے کنایہ سے کام لے۔

(۷) طلباء کا امتحان لیتا رہے

جب استاذ سبق سے فارغ ہو جائے تو طلباء سے ان کی ذہنی آزمائش اور ان کے فہم وضبط کو آزمانے کے لیے اس سبق سے متعلقہ مسائل پوچھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، پھر جو طالبِ علم درست جواب دے کر اپنے فہم کے استحکام کا ثبوت دے اس کی تعریف کرے اور جو درست جواب نہ دے سکے اس کے ساتھ ہمدردی اور لطف سے پیش آئے اور اس کو دوبارہ سبق سمجھا دے، سبق سے فارغ ہونے کے بعد اس سوال جواب کا مقصد اور اس کی وجہ یہ ہے کہ طالبِ علم، وقت کی تنگی یا ساتھیوں سے حیاء یا تاخیر کے خوف سے یہ نہیں کہہ پاتا کہ اسے سبق سمجھ نہیں آیا۔

اسی بناء پر بعض علماء کہتے ہیں کہ استاذ کو اسی صورت میں "ھَلْ فھمت" (کیا آپ کو سبق سمجھ آیا؟) کہنا چاہیے جب اسے اطمینان ہو کہ طالبِ علم جواب میں "نعم" (جی ہاں) کہے گا، لیکن اگر وہ سمجھتا ہو کہ طالبِ علم حیاء وغیرہ کے سبب جھوٹ بول دے گا تو پھر نہ پوچھے، اس لیے کہ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ اثبات میں جواب دے کر کذب بیانی میں مبتلا ہو جائے۔ جیسا کہ اس سے پہلے ہم اس کے اسباب بیان کر چکے ہیں۔ اگر ایسی صورت میں استاذ نے اپنے طالبِ علم سے پوچھ لیا کہ کیا تمہیں سبق سمجھ آیا ہے؟ اور وہ اثبات میں جواب دے تو اس کے بعد اس کے سامنے مسائل ذکر نہ کرے۔

ہاں البتہ اگر طالبِ علم اس کا خواہش مند ہو اور اس کا حال اس کا داعی ہو جیسے غلط جواب دینے سے اس پر شرمندگی کے آثار نمایاں ہوں تو دوبارہ مسائل بتانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

شیخ کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنے طلباء کو اسباق کے تکرار کا امر کرے تا کہ ان کے اذہان و افہام میں تمام اسباق اچھی طرح راسخ ہو جائیں۔ نیز اس طرح ان کی فکری صلاحیتیں اجاگر ہوں گی اور شوقِ تحقیق ابھرے گا۔

(۸) جب طالبِ علم درست جواب دے تو اس کی حوصلہ افزائی کرے

کبھی کبھار طلباء کی یادداشت کا امتحان بھی لیا کرے، دیکھا کرے کہ اس نے جو اہم قواعد اور نادر مسائل ذکر کیے ہیں ان کو طلباء نے یاد بھی رکھا ہے یا نہیں؟ چنانچہ جو طالبِ علم درست جواب دے اور اس کے بارہ خود پسندی وغیرہ کا اندیشہ نہ ہو تو اس کی ہمت افزائی اور تحسین کرے بلکہ اس کے ساتھیوں میں اس کی تعریف کرے تا کہ وہ بھی اور اس کے تمام ساتھی بھی مزید محنت اور جدوجہد کے لئے راغب اور کوشاں ہوں۔ اور جو طالبِ علم صحیح جواب دینے میں کوتاہی کرے اور اس کے تنفر کا خوف نہ ہو تو کوتاہی پر کچھ سختی بھی کرے اور حصولِ علم میں مقام و مرتبہ حاصل کرنے اور اپنی ہمت کو بلند کرنے کی ترغیب دے۔ خصوصاً جب اس پر سختی کرنا موجبِ نشاط اور قدر افزائی باعثِ انبساط ہو۔ اور اس کے حال کے مناسب سبق کا اعادہ کرے تا کہ وہ اچھی طرح سبق کو سمجھ لے۔

(۹) طالبِ علم کی ذہنی سطح کا خیال رکھے اور طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے

جب استاذ دیکھے کہ طالبِ علم اپنی ہمت اور طاقت سے زیادہ حصولِ علم میں منہمک ہے اور استاذ کو ڈر ہو کہ کہیں وہ اکتاہٹ کا شکار نہ ہو جائے تو اسے نرمی سے سمجھائے اور حضور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان یاد دلائے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿إنّ المنبتّ لا ارضاً قطع ولا ظهرا ابقى﴾
مراد یہ ہے کہ "کسی شے کی تلاش میں اتنا آگے نہیں نکل جانا چاہئے
کہ اس شے کو ہی کھودے۔"

علاوہ ازیں وہ امور جو اسے محنت کے سلسلہ میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے پر آمادہ کرتے ہوں اس کے سامنے ذکر کرے۔ اسی طرح اگر طالبِ علم پر اکتاہٹ، سستی وغیرہ کے آثار نظر آئیں تو اسے آرام کرنے اور مشغولیت کم کرنے کا کہے۔ نیز طالبِ علم کو ایسی بات کے سیکھنے کا مشورہ نہ دے جس کو اس کا ذہن یا عمر متحمل نہ ہو اور نہ ایسی کتاب پڑھنے کا مشورہ دے جس کو سمجھنے سے اس کا ذہن قاصر ہو۔ اگر کوئی ایسا طالبِ علم جس کی فہم و ذکاوت کا حال معلوم نہ ہو اور وہ شیخ سے کسی فن یا کتاب کے پڑھنے کا مشورہ طلب کرے تو جب تک اس کے حال سے واقفیت نہ ہو جائے اور اس کے ذہن کی جانچ نہ کرلے کسی بات کا مشورہ نہ دے۔ اگر اس کا حال تاخیر کا متحمل نہ ہو تو کسی فن کی آسان سی کتاب کا مشورہ دے دے، اور اگر دیکھے کہ وہ باصلاحیت ہے اور ذہین ہے تو اس کو ایسی کتاب کی رہنمائی کرے جو اس کے ذہن کے مناسب و لائق ہو، اور اگر ذہین نہ ہو تو پھر رہنے دے، کیوں کہ ذہین اور باصلاحیت طالبِ علم کا اس کی ذہنی جودت کے مناسب کتاب کی رہنمائی سے انبساط بڑھتا ہے۔ نیز طالبِ علم اگر دو یا دو سے زیادہ فنون کو منضبط نہ کرسکتا ہو تو اس کو مجبور نہ کرے بلکہ جو فن زیادہ اہم ہو وہ پہلے پڑھے، اس کا عنقریب ذکر آرہا ہے۔

(۱۰) طلباء کو کثیر الاستعمال قواعد و ضوابط بھی بتلائے

استاذ کو چاہئے کہ طلباء کے سامنے فن سے متعلق کثیر الاستعمال قواعد کا ذکر کرے، جیسے اصول ہے کہ ضمان کے مسئلہ میں مباشر کو سبب پر فوقیت اور ترجیح دی جائے گی، اور بینہ موجود نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ پر قسم آئے گی اور قسامت کا مسئلہ اس

سے مستثنیٰ ہے۔ نیز قواعد سے مستثنیٰ مسائل کا بھی تذکرہ کرے جیسے کسی امام کے (کسی مسئلہ میں) دو قول ہوں، ایک قدیم اور ایک جدید، تو قولِ جدید پر عمل کیا جائے گا۔ اسی طرح ہر وہ قسم جو دوسرے کے فعل کی نفی پر کھائی جائے وہ صرف علم کی نفی پر محمول ہوگی، البتہ اگر آقا کے خلاف دعویٰ کیا جائے کہ اس کے غلام نے کوئی جرم کیا ہے تو صحیح قول کے مطابق اس کی قسم حقیقت پر محمول ہوگی۔ نیز ہر ایسی عبادت جس میں اس کے منافی کوئی عمل کیا جائے تو وہ عبادت سے نکال دیتا ہے لیکن حج اور عمرہ اس سے مستثنیٰ ہے اور ہر وضو میں ترتیب کا لحاظ رکھنا چاہئے لیکن جو وضو، غسلِ جنابت کے درمیان میں آجائے اس میں ترتیب ضروری نہیں ہے۔ نیز ان قواعد کے اصل مآخذ کو بھی بیان کرے۔ نیز ہر اصول کے لئے جس فن اور علم کی ضرورت ہو اس کا بھی ذکر کرے جیسے علمِ تفسیر، علمِ حدیث، اصولِ دین، فقہ، نحو، صرف اور لغت وغیرہ۔ یہ تمام باتیں اس وقت ہیں جب شیخ ان فنون سے واقف ہو لیکن اگر اس کو مذکورہ فنون میں سے جس فن میں رسوخ اور پختگی حاصل نہ ہو اس کا ذکر نہ کرے بلکہ جس فن میں اتقان (استحکام) حاصل ہو صرف اسی کا ذکر کرے۔ اسی طرح فن کے نادر مسائل اور فتاوی کا ذکر کرے اور ان کی خوب توضیح کرے۔

اسی طرح وہ باتیں جن سے ناواقف رہنا ایک عالم فاضل شخص کے شایانِ شان نہیں ہے، ان کو بھی ذکر کرے جیسے مشہور صحابہ و تابعین، ائمۃ المسلمین اور بڑے بڑے صوفیاء اور صالحین کے اسماءِ گرامی، اور خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ، بارہ نقباء، بدری صحابہ، کثیر الروایت صحابہ، عبادلہ، فقہاءِ سبعہ، ائمہ اربعہ، ان حضرات کے نام، کنیتیں، عمریں، تاریخ وفات، عجیب وغریب حالات و واقعات اور محاسن وصفات کا بھی تذکرہ کرے۔

اس طرح طالبِ علموں کو فوائدِ کثیرہ حاصل ہوں گے۔ اوز ان کے آپس کے اختلاف کا تذکرہ کرنے سے پوری طرح اجتناب کرے، اس لیے کہ وہ لوگ دنیا میں دعا و تعریف اور ذکرِ خیر کے مستحق ہیں اور آخرت میں عظیم اجر وثواب کے لائق ہیں۔

(۱۱) طلباء کے درمیان مساوات کا خیال رکھے

طلباء پر یہ ظاہر نہ ہو کہ استاذ کسی طالبِ علم کو زیادہ ترجیح دیتا ہے یا اس پر زیادہ توجہ دیتا ہے یا اس کے ساتھ زیادہ تعلقِ خاطر رکھتا ہے جب کہ سب صفات میں برابر ہوں جیسے عمر، فضیلت، دیانت اور تحصیلِ علم۔ کیوں کہ اگر استاذ کسی طالب علم کو بلاوجہ دوسروں پر فضیلت دے گا تو اس سے دِلوں میں تنفر پیدا ہو سکتا ہے

لیکن اگر کوئی طالبِ علم، تحصیلِ علم، محنت و جدوجہد اور حسن ادب وغیرہ کے اعتبار سے آگے ہو تو اس کی فضیلت بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن طلباء کے سامنے اس کے اکرام کا سبب بھی ضرور بتائے۔ اس طرح سب میں شوق پیدا ہوگا کہ ان کو بھی ان صفات سے مزین ہونا چاہئے۔ اسی طرح بلاوجہ اور کسی مصلحت کے بغیر مقررہ باری کو آگے پیچھے نہ کرے، جس طالبِ علم کی جس دن باری ہو اسی کو پڑھنے دے، ہاں البتہ اگر وہ خود کسی دوسرے کو اجازت دیدے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ عنقریب تفصیل سے اس کا ذکر آ رہا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

استاذ کو چاہئے کہ حاضرینِ درس سے اپنی محبت اور اپنے تعلق کا اظہار کرے، جو غائب ہو یعنی سبق میں غیر حاضر ہو اس کا اچھے انداز میں نام لے، نیز استاذ کے لئے مناسب ہے کہ وہ طلباء سے ان کے نام، نسب اور وطن وغیرہ کے بارے میں پوچھے اور ان کے حالات دریافت کرے اور ان کے لئے اکثر و بیشتر خیر کی دعاء کرتا رہے۔

(۱۲) طلباء کے حالات وحرکات پر کڑی نظر رکھے

معلم کو چاہئے کہ وہ ہر لحاظ سے طلباء کے حالات یعنی ان کے طور طریق، اخلاق وآداب کا خیال رکھے، جس طالبِ علم سے کوئی حرام یا مکروہ کام سرزد ہو یا کوئی ایسی حرکت صادر ہو جو اس کی حالت کو بگاڑ دینے والی ہو یا اس نے کسی استاذ وغیرہ کی بے

ادبی کی ہو یا بے فائدہ زیادہ باتیں کرتا ہو یا بڑا باتونی ہو یا ایسے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتا ہو جن کے ساتھ میل جول رکھنا مناسب نہ ہو (جیسا کہ عنقریب متعلّم کے آداب میں اس کا تفصیلی ذکر آرہا ہے) تو استاذ کو چاہئے کہ جس طالبِ علم سے مذکورہ کوئی حرکت سرزد ہوئی ہو اس کی موجودگی میں ان بری حرکات سے منع کرے لیکن اسی طالبِ علم کو متعین کر کے ملامت کا نشانہ نہ بنائے، اگر وہ باز نہ آئے تو اسے علیحدگی میں سمجھائے اور اگر وہ اشارے سے سمجھ سکتا ہے تو اشارے سے سمجھائے، اگر وہ پھر بھی باز نہ آئے تو سب کے سامنے منع کرے، اگر مناسب خیال کرے تو ذرا سخت لہجہ سے کہے تا کہ تمام طلباء متنبہ اور باادب بن جائیں، اگر پھر بھی اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو اس کو اپنے حال پر چھوڑ دینے میں کوئی حرج نہیں اور اس سے منہ موڑ لے یہاں تک کہ وہ باز آجائے، بالخصوص جب استاذ کو خدشہ ہو کہ اس کا کوئی ساتھی اس سے اثر قبول کرسکتا ہے۔ اسی طرح ان کی خبر گیری کرتا رہے جس طرح وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرتے ہیں جیسے سلام کو رواج دینا، اندازِ تخاطب کا پسندیدہ ہونا، آپس میں محبت و تعلق قائم رکھنا، نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں مدد کرنا وغیرہ۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ان کو دینی مصالح کی تعلیم دے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسا معاملہ ہونا چاہئے اسی طرح ان کو دنیاوی مصالح کی تعلیم بھی دے کہ عام لوگوں کے ساتھ ان کا رویہ اور سلوک کیسا ہونا چاہئے، تا کہ سعادتِ دارین سے مستفیض ہوں۔

(۱۳) طلباء کی اعانت وعیادت اور دیگر مصالح کا بھی خیال رکھے

استاذ کو چاہئے کہ وہ اپنی طاقت اور ہمت کے مطابق طلباء کی اپنے مال و منصب سے مدد کرے اور ان کی دل داری اور دل جوئی کرے۔ کیوں کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتے

رہتے ہیں اور جو بندہ اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ضرورت و حاجت کو پورا کرتا ہے، اور جو شخص کسی تنگ دست پر آسانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے روز اس کے حساب میں آسانی فرمائیں گے۔ خصوصاً جب یہ اعانت، علم کی طلب و تحصیل میں ہو تو یقیناً اس کا درجہ زیادہ ہوگا، کیونکہ طلبِ علم بہت افضل ترین عبادت ہے۔

اگر سبق میں کوئی طالبِ علم یا حلقۂ درس کا کوئی ساتھی عام عادت سے زیادہ غیر حاضر ہو تو اس سے حال واحوال معلوم کرے، اگر کسی کو اس کے بارے میں خبر نہ ہو تو اس کی طرف پیغام بھیجے یا خود اس کے گھر جائے اور یہ زیادہ بہتر ہے۔ اگر معلوم ہو کہ وہ بیمار ہے تو اس کی بیمار پرسی کرے، اور اگر وہ کسی پریشانی میں مبتلا ہو تو اس کو حوصلہ دے، اگر وہ سفر میں گیا ہوا ہو تو اس کے متعلقین سے اس کے حالات معلوم کرے۔ طلباء سے ان کی ضروریات دریافت کرے اور حتی المقدور ان کی ضرورتوں کو پورا کرے جب کہ اس سے اس کی علمی اعانت ہوتی ہو ورنہ اپنی محبت کا اظہار کرے اور دعا کردے۔

یاد رکھیں! نیک طالبِ علم استاذ کے لئے دنیا و آخرت کی وہ سعادتیں سمیٹتا ہے جو اس کا عزیز ترین دوست اور قریبی رشتہ دار بھی نہیں سمیٹ سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ علماءِ اسلاف جو اللہ کے لئے ہی لوگوں کو نصیحت کرنے والے تھے۔ ایسے نیک صالح طالبِ علم کی تلاش میں رہتے تھے جس سے لوگوں کو نفع حاصل ہو اور وہ اپنی دنیا و آخرت سنوار سکیں۔ اگر کسی استاذ کا ایک ہی ایسا طالبِ علم ہو جس کے علم و عمل اور ہدایت وارشاد سے عام لوگ مستفید ہوتے ہوں تو اللہ کے حضور وہ طالبِ علم اپنے استاذ کے لئے کافی ہے۔ اس لیے کہ اس کے علم سے جو بھی فائدہ اٹھائے گا اس کا اجر و ثواب اس کے استاذ کو ضرور ملے گا۔ جیسا کہ حدیثِ صحیح میں آیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

> ”جب بندہ فوت ہو جاتا تو اس کے عمل (کا سلسلہ) ختم ہو جاتا ہے لیکن تین چیزیں باقی رہتی ہیں، ایک صدقہ جاریہ، دوسرا وہ علم

جس سے دوسرے مستفید ہوتے ہوں اور تیسری نیک اولاد جو اس کے لئے دعائیں کرتی ہے۔" (اخرجہ مسلم:۱۶۳۱)

میں کہتا ہوں کہ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ تینوں اسباب معلم علم میں موجود ہیں، صدقہ تو (اس کا) طالبِ علم کو علم پڑھانا ہے اور اس کو علم کا فائدہ پہنچانا ہے، جیسا کہ حضورِ اقدس ﷺ نے منفرد نماز پڑھنے والے کے بارے میں فرمایا کہ

"اس پر کون صدقہ کرے؟" (ابوداؤد:۵۷۴، احمد ۱۱۶۱۳)

یعنی اس کے ساتھ نماز کون پڑھے گا؟ تاکہ اسے بھی جماعت کا ثواب حاصل ہو؟ معلم تو طالبِ علم کو علم کی فضیلت اور اس کا اجر دیتا ہے جو نماز باجماعت سے زیادہ افضل ہے اور سعادتِ دارین کا سبب ہے اور رہی دوسری بات کہ اس کے علم سے دوسرے منتفع ہوں تو معلم کے علم سے ہر دوسرا شخص مستفید ہوتا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے اور رہی تیسری بات کہ نیک اولاد اس کے لئے دعا کرے تو علم حدیث کے طلباء کا یہ معمول اور طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے مشائخ واساتذہ اور ائمہ کے لئے دعائیں کرتے ہیں بلکہ بعض طلباءِ علم تو ان تمام اساتذہ کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں جن سے انہوں نے علم کی دو چار باتیں سیکھی ہوتی ہیں، بسا اوقات بعض طلباء اپنے اساتذہ کی سند سے حدیث پڑھتے ہیں اور سند کے تمام رواۃ کے لئے دعا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کیسی عجیب شان والی ہے کہ جس کو چاہتی ہے بیش بہا عطاء و بخشش سے نوازتی ہے۔

(۱۴) طلباء سے خندہ پیشانی اور تواضع وانکساری سے پیش آئے

طلباء اور مسترشدین کے ساتھ تواضع وانکساری سے پیش آئے جو حقوق اللہ کو بھی ادا کرتے ہیں اور اپنے شیخ اور استاذ کے حقوق کو بھی بجالاتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے،

﴿وَاخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ﴾

(الشعراء: ۲۱۴)

''اور ان لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں۔''

نیز حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف اس بات کی وحی کی ہے کہ تم تواضع اختیار کرو اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندیاں دیتا ہے۔'' (اخرجہ مسلم: ۲۸۶۵)

حالانکہ یہ حکم تمام لوگوں کے لئے ہے، معلوم ہوا کہ جن کو حقِ صحبت حاصل ہے، اور وہ طلبِ علم کے شرف ومقام پر بھی فائز ہیں ان کے لئے تواضع کس قدر ضروری ہوگی؟ حدیث میں ہے کہ ''جن کو تعلیم دیتے ہو اور جن سے علم حاصل کرتے ہو ان کے سامنے نرم رویہ اختیار کرو۔''

حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو حکمت ودانائی سے مالا مال کر دیتے ہیں۔'' استاذ کو چاہئے کہ طلباء کے ساتھ وہ اندازِ تخاطب اختیار کرے جس سے ان کی تعظیم اور توقیر معلوم ہوتی ہو اور جو نام وغیرہ اس کو پسند ہو وہ لے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکرام کی خاطر اپنے صحابہ کی کنیتیں مقرر کرتے تھے۔'' نیز جب کوئی طالبِ علم ملنے آئے تو اس کو خوش آمدید کہے اور جب مجلس میں بیٹھے تو اکرام سے پیش آئے۔ اور سلام جواب کے بعد ان کے اور ان کے متعلقین کے حالات معلوم کرے تاکہ انہیں اُنس حاصل ہو، اور خندہ پیشانی سے پیش آئے، اپنی محبت وشفقت اور اپنے تعلق کا اظہار کرے، اس سے اس کا دل خوش ہوگا اور اس کی صلاح وفلاح میں اضافہ ہوگا۔

خلاصہء کلام یہ ہے کہ طلباء حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کا حصہ

ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ

''بیشک لوگ تمہارے تابع ہیں اور کچھ لوگ زمین کے اطراف سے دین سیکھنے کے لئے تمہارے پاس آئیں گے، جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔''

(اخرجہ الترمذی: ۲۶۵۰، وابن ماجہ: ۲۴۹)

امام بویطیؒ کا حال یہ تھا کہ جب قراء ان کے پاس حصول علم کے لئے آتے تھے تو آپ ان کو قریب بٹھاتے تھے اور ان کو امام شافعیؒ اور ان کی کتب کی فضیلت بتاتے تھے کہ امام شافعیؒ یوں حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ مسافر طلباء کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ رکھو۔''

امام ابوحنیفہؒ کی مجلس سب سے زیادہ مکرم ہوتی تھی، آپ اپنے شاگردوں کا خوب اکرام کیا کرتے تھے۔

بابِ سوئم

متعلم اپنے اور اپنے اساتذہ اور اسباق میں کن آداب کا پاس کرے

اس میں تین فصلیں ہیں:

فصلِ اول: متعلم کی ذات سے متعلق آداب کا بیان

فصلِ دوئم: متعلم کو اپنے استاذ کے متعلق کن آداب کا خیال رکھنا چاہئے۔

فصلِ سوئم: متعلم کو اپنے اسباق میں کن آداب کا لحاظ کرنا چاہئے۔

فصلِ اول

﴿متعلم کی ذات سے متعلق آداب کا بیان﴾

اس میں دس انواع ہیں:

(۱) اپنے قلب کو ہر طرح کی گندگی سے پاک کرے

متعلم کو چاہئے کہ وہ اپنے قلب و باطن کو ہر طرح کی خباثت و گندگی، حسد، کینہ اور اخلاقِ رذیلہ سے پاک رکھے، تاکہ اس کا قلب علم کو قبول اور محفوظ کر سکے، اور علم کے دقیق معانی اور سربستہ حقائق پر مطلع ہو سکے، بعض علماء کے قول کے مطابق علم، باطنی نماز اور قلبی قربت وعبادت ہے۔

جیسے نماز، جو اعضاء ظاہری کی عبادت کا نام ہے، ظاہری جسم کو ہر طرح کی ناپاکی سے پاک کیے بغیر درست نہیں ہوتی اسی طرح علم بھی جو عبادتِ قلبی سے عبارت

ہے باطن کو برے اخلاق اور صفات سے صاف کیے بغیر درست نہیں ہوتا۔

جب قلب علم کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس علم کی برکات ظاہر ہونے لگتی ہیں اور وہ بڑھنے لگتا ہے جیسے کوئی زمین زراعت کے قابل ہو تو اس کی زراعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ حدیثِ مبارک میں ہے:

> ''جسم کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، خبردار! وہ قلب ہے''
>
> (اخرجہ البخاری:۵۲، ومسلم:۱۵۹۹)

حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ ایسے دل میں علم کا نور داخل نہیں ہوتا جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا محل ہو۔

(۲) حصولِ علم کے سلسلہ میں اپنی نیت خالص کرے

طالبِ علم کو چاہئے کہ وہ علم کے حصول میں اپنی نیت درست کرے کہ میں اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کا طالب ہوں اور اس کو حاصل کر کے اس پر عمل کروں گا، نیز علم کے حصول سے مقصد احیائے شریعت، تنویرِ قلب اور تزیینِ باطن اور روزِ قیامت قربِ خداوندی کا حصول ہو، نیز اہلِ علم کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو اپنی رضا اور فضلِ عظیم تیار کر رکھا ہے اس کے حصول کی بھی نیت کرے۔ حضرت سفیان الثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جتنی مشقت اپنی نیت کو درست کرنے میں صرف کی ہے اتنی اور کسی میں صرف نہیں کی۔''

علم سے دنیاوی اغراض مقصود نہ ہوں، جیسے مال و جاہ کا حصول، اپنے ہمعصر ساتھیوں پر برتری اور فخر کا اظہار، لوگوں کی تعظیم وتوقیر کی خواہش اور صدرِ مجلس بننے کی حرص وغیرہ۔ ورنہ یہ ایسا ہوگا جیسے اعلیٰ چیز کے بدلہ میں ادنیٰ چیز کو لینا۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”لوگو! اپنے علم سے خدا تعالیٰ کی رضا کو مقصود بناؤ، میں نے جب بھی کسی مجلس میں تواضع و عاجزی کی نیت کی تو میں اس مجلس کا سربراہ بن کر اٹھا (اور میری نیک نامی ہوئی) اور جب میں نے صدرِ مجلس بننے کی نیت کی تو رسوا ہوکر ہی وہاں سے اٹھا“۔

علم بھی ایک عبادت ہے اس لیے اگر اس میں نیت خالص ہوئی تو وہ قبول بھی ہوگا اور ثمرات و برکات بھی لائے گا لیکن اگر اس سے غیر اللہ کو مقصود بنالیا جائے تو وہ ضائع و بیکار ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اس سے مطلوب مقاصد بھی حاصل نہیں ہوتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کی ساری محنت و مشقت اکارت جاتی ہے۔

(۳) تحصیلِ علم کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر لے

متعلم کو چاہیے کہ علم کی تحصیل میں اپنی عمرِ عزیز کو لگادے، اس سلسلہ میں ٹال مٹول یا تاخیر سے کام نہ لے بلکہ نوجوانی کی عمر اس کے لئے انتہائی موزوں و مناسب ہے۔ کیوں کہ عمر کا جو حصہ اور لمحہ گزرتا جا رہا ہے اس کا کوئی عوض یا بدل نہیں ہے۔ طالبِ علم کو چاہیے کہ علم کے حصول میں جو امور مانع ہوں ان سے کنارہ کشی اور لاتعلقی اختیار کرے اور تحصیلِ علم میں اپنی بھرپور کوشش صرف کردے۔ اسی لیے علمائے اسلاف گھر اور وطن سے بُعد اور دوری کو پسند فرماتے تھے۔ اس لیے کہ انسان کا ذہن جب بہت سے کاموں میں بٹ جائے تو وہ حقائق کے ادراک سے قاصر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾

”یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے دو دِل پیدا نہیں فرمائے۔“

اسی طرح کسی کا قول ہے کہ علم اپنا بعض (حصہ) تجھے نہیں دے گا جب تک کہ تو اس کو اپنا کل حصہ نہیں دے گا۔“

خطیب بغدادیؒ نے "الجامع" میں کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "علم وہی شخص حاصل کرسکتا ہے جو اپنی دکان کو بند کردے، اپنے باغ کو ویران کردے، اپنے بھائیوں سے تعلق قطع کرے اور قریبی رشتہ دار فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شریک نہ ہو۔"

اگر چہ یہ قول مبالغہ سے خالی نہیں ہے لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ علم کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ خاطر جمعی اور جمعیتِ فکری حاصل ہو۔ خطیبِ بغدادیؒ نے جو قول نقل کیا ہے اس سے ملتا جلتا ایک یہ قول بھی منقول ہے کہ طالبِ علم کو چاہئے کہ اپنے کپڑوں کو رنگ لے تا کہ اس کے دھونے کی فکر ہی نہ رہے" اسی طرح امام شافعیؒ سے یہ قول مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ "**لو کلفت شراءَ بصلة لما فهمت مسألةً**" یعنی اگر مجھے پیاز خریدنے پر مامور کیا جاتا تو میں پھر مسئلہ نہ سمجھ سکتا۔"

(۴) صبر وقناعت اختیار کرے

متعلم کو چاہئے کہ جو خوراک میسر آجائے اسی پر قناعت کرے خواہ وہ تھوڑی ہو اور اتنا لباس کافی ہے جس سے ستر ڈھانپ لے خواہ وہ لباس پھٹا پرانا کیوں نہ ہو، تنگ حالی اور غربت پر صبر کرنے سے علم کی وسعتیں اور ترقیاں نصیب ہوں گی۔ نیز طالبِ علم کو چاہئے کہ اپنے قلب کو متفرق امیدوں کی آماجگاہ نہ بنائے بلکہ اپنے قلب کو یکسو رکھے تا کہ حکمتوں کے چشمے اس میں جاری ہوں۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، "ایسا ممکن نہیں کہ کوئی شخص اپنی بڑائی اور بادشاہت کے ساتھ اس علم کو حاصل کر کے کامیاب ہو جائے، البتہ جو شخص خاکساری، تنگ حالی اور علماء کی خدمت کر کے علم حاصل کرتا ہے وہ فلاح یاب اور کامیاب ہو جاتا ہے" نیز فرمایا، "طلبِ علم کے لائق تو صرف مفلس آدمی ہے" دریافت کیا گیا با کفایت مال دار اس کا اہل نہیں ہے؟ فرمایا کہ با کفایت مال دار اس کا اہل نہیں ہے"۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص علم سے اپنا مقصود حاصل نہیں

کر سکتا جب تک کہ فقر وافلاس اس کو ضرر نہ پہنچائے اور ہر چیز پر اثر انداز نہ ہو"۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فقہ کے حصول کے لئے خاطر جمعی ممد و معاون ہے اور تعلقات کو صرف ضرورت کی حد تک رکھے، ضرورت سے زیادہ نہ رکھے۔"

یہ قابلِ اقتداء ائمہ کرام کے مبارک احوال ہیں۔ خطیبؒ فرماتے ہیں کہ "بہتر یہ ہے کہ طالبِ علم غیر شادی شدہ ہو، تا کہ کمالِ علم کے حصول میں زوجیت کے حقوق اور معاش کی فکر مانع نہ ہو۔"

حضرت سفیان الثوریؒ فرماتے ہیں کہ جس نے شادی کر لی اس نے حقیقت میں اپنی کشتی دریا میں ڈال دی، پھر اگر اس کے ہاں اولاد ہو گئی تو سمجھ لو وہ کشتی بھی ٹوٹ گئی۔"

خلاصہء کلام یہ ہے کہ جس کو شادی کی ضرورت نہ ہو یا اس کی طاقت نہ ہو اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ شادی نہ کرے، خصوصاً طالبِ علم کو تو شادی نہیں کرنی چاہئے جس کی اصل دولت ہی خاطر جمعی، یکسوئی اور حصولِ علم میں اپنے ذہن کو مشغول اور منہمک رکھنا ہے۔

(۵) اپنی عمر اور اوقات کو غنیمت جانے

اپنے شب و روز کے اوقات کو تقسیم کرے، باقی ماندہ عمر کو غنیمت جانے، کیوں کہ اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ اسباق یاد کرنے کا سب سے عمدہ وقت سحری کا وقت ہے اور بحث و تکرار کے لیے دن کا اول حصہ ہے اور لکھنے کے لئے دن کا درمیانہ حصہ اور مطالعہء کتب کے لئے رات کا وقت سب سے اچھا ہے۔

خطیبؒ فرماتے ہیں کہ "یاد کرنے کے لیے سب سے عمدہ وقت سحری کا وقت ہے، پھر دن کا وسط حصہ پھر صبح کا اول سب سے اچھا ہے" نیز فرمایا کہ "رات کے وقت یاد کرنا دن کے وقت یاد کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور بھوک کا وقت شکم سیری کے وقت سے

زیادہ نافع ہے''۔ نیز فرمایا کہ ''یاد کرنے کی سب سے اچھی جگہ بالا خانے اور ہر وہ مقام ہے جو تفریح گاہوں سے دور ہو۔''

نیز فرمایا کہ ''جس جگہ نباتات یا سبزہ ہو یا شوروغل ہو اس جگہ یاد کرنا اچھا نہیں ہے، اسی طرح شاہراہوں اور نہروں کے پاس بیٹھ کر یاد کرنا پسندیدہ نہیں ہے، کیونکہ ان مقامات میں عام طور پر خاطر جمعی اور یکسوئی حاصل نہیں ہوتی۔''

(۶) زیادہ کھانے پینے سے پرہیز کرے

علم کے اشتغال، فہم اور عدمِ ملال میں سب سے زیادہ معین اور مددگار کھانے پینے کی قلیل مقدار پر قناعت کرنا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے سولہ سال سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔''

اس کا سبب یہ ہے کہ زیادہ کھانا زیادہ پینے کا ذریعہ بنتا ہے اور زیادہ پینا کاہلی، بلادت اور زیادہ نیند لانے کا سبب ہے، اور شرعاً بھی ناپسندیدہ ہے اور بہت سی امراض کا پیش خیمہ ہے۔

ایک شاعر کہتا ہے:

فان الدّاء اکثر ماتراہ   یکون من الطعام او الشراب

یعنی ''عام طور پر بیماریوں کی کثرت کا سبب زیادہ کھانا یا زیادہ پینا ہے۔''

علاوہ ازیں کسی امام یا بزرگ نے زیادہ کھانے پینے کی نہ تعریف کی ہے اور نہ ان کا معمول تھا، اور زیادہ کھانا پینا کوئی انسانی وصف یا کمال نہیں بلکہ یہ تو حیوانات کا خاصہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ''ذکاوت اور ذہانت، بلادت اور غباوت سے افضل اور اعلیٰ ہے۔''

اگر زیادہ کھانے پینے کا صرف یہ نقصان ہوتا کہ اس سے بیت الخلاء جانے کی بار بار ضرورت پیش آتی ہے تو ایک عقل مند آدمی کی شان یہ ہے کہ وہ زیادہ کھانے پینے

سے گریز کرے۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ وہ زیادہ کھانے پینے اور آرام کرنے کے ساتھ ساتھ علم کی منزلیں بھی حاصل کرلے گا تو اس کی یہ خام خیالی ہے۔

سب سے بہتر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں حضورِ اکرم ﷺ کی تعلیمات کو اپنے لئے نمونۂ عمل بنائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کسی انسان نے اپنے پیٹ سے زیادہ بُرا برتن نہیں بھرا، انسان کے لئے تو بس چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا کردیں پس اگر زیادہ کھانا ہی ہے تو ایک تہائی حصہ کھانے کے لئے ایک تہائی حصہ پانی کے لئے اور ایک تہائی حصہ سانس کے لئے رکھے۔''

(رواہ الترمذی: ۲۳۸۰، واحمد ۴/۱۳۲)

اگر اس مقدار سے تجاوز کرے گا تو اسراف میں داخل ہوگا اور سنتِ نبوی ﷺ کے خلاف ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا﴾

''یعنی کھاؤ اور پیو لیکن اسراف نہ کرو۔''

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کلمات میں علمِ طب کا جوہر بیان کر دیا۔

(۷) شرعی رخصتوں کی رعایت رکھتے ہوئے پرہیزگاری پر کاربند رہے

تمام امور میں تقوی و پرہیزگاری کو اختیار کرے، کھانے، پینے، لباس اور رہائش میں خود بھی حلال کا اہتمام کرے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس کی طرف راغب کرے۔ تاکہ اس کا قلب علم کے نور سے مستنیر اور اس کے نفع کے قابل بن سکے۔ اپنے لیے شرعی مباحات پر قناعت اور کفایت نہ کرے بلکہ جس قدر ممکن ہو تقویٰ اور پرہیزگاری پر عمل پیرا رہے اور بامرِ ضرورت ہی شرعی رخصتوں کو اختیار کرے۔

اپنے اسلاف کوعمل کا نمونہ بنائے جو بہت سے امور میں جواز کا فتویٰ دینے کے باوجود خود تقویٰ کے اعلیٰ مرتبہ پر کاربند رہتے تھے، اس سلسلہ میں ہمارے آقا اور ہمارے سردار جناب رسول اللہ ﷺ ہی لائقِ اسوہ ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک دن سرِ راہ ایک کھجور پڑی ہوئی دیکھی تو اس ڈر سے کہ یہ کہیں صدقہ کی نہ ہو تناول نہیں فرمائی'' نیز اہلِ علم، لوگوں کے لئے مقتداء اور پیشوا ہیں جن کی لوگ پیروی کرتے ہیں لیکن اگر وہ خود پرہیزگاری پر عمل پیرا نہ ہوں تو پھر کون ہوگا؟ البتہ ضرورت کے وقت شریعت کی طرف سے دی گئی رخصتوں سے استفادہ کرلینا مناسب ہے، تاکہ عام لوگ ان مسائل میں ان کی اقتداء کرسکیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ جیسے اس کی عزیمتوں کو بجا لایا جائے اسی طرح اس کی دی ہوئی رخصتوں سے بھی فائدہ اٹھایا جائے۔

(۸) جو چیزیں، نسیان، کند ذہنی اور کمزوری کا سبب ہوں انکو کم استعمال کرے

متعلم کو چاہیئے کہ کھانے کی جو چیزیں ذہنی فتور، حواس کی کمزوری کا سبب بنتی ہوں ان کو کم کردے، جیسے ترش سیب، لوبیا کھانا اور سرکہ پینا، اسی طرح وہ چیزیں جو بلغم میں اضافہ کرتی ہوں جس سے ذہن کمزور اور بدن بھاری ہوتا ہو اجتناب کرے جیسے دودھ اور مچھلی وغیرہ زیادہ استعمال کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء کو ذہن کی عمدگی کا ذریعہ بنایا ہے اس کو استعمال کرے جیسے لبان اور مصطگی (دوا) عادت کے مطابق چبانا اور صبح سویرے کشمش کھانا اور جلاب (شربت) پینا وغیرہ

نیز متعلم کو چاہیئے کہ جو چیزیں مرضِ نسیان کا ذریعہ بن سکتی ہیں ان سے خاص طور پر بچے، جیسے چوہے کا جھوٹا کھانا، قبروں پر لگے ہوئے کتبوں کو پڑھنا، اونٹوں کی قطار میں گھسنا اور سر سے جوئیں نکال کر پھینکنا وغیرہ کیونکہ تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایسے کام نسیان کا ذریعہ بنتے ہیں۔

(۹) نیند کم کرے، نفس کو آرام دے اور جسمانی ورزش کی عادت ڈالے

متعلم کو چاہئے کہ کم سویا کرے بشرطیکہ اس سے جسمانی یا ذہنی تکلیف نہ پہنچے اور دن رات میں آٹھ گھنٹے سے زیادہ نہ سوئے، اگر حالت اس سے کم سونے کی متحمل ہو تو کم کرلے۔

اگر طبیعت میں اکتاہٹ، آزردگی اور کمزوری محسوس ہو تو اپنے نفس اور اپنے قلب و ذہن کو آرام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے، ایسی تفریح گاہ میں چلا جائے جہاں اس کی حالت معمول پر آجائے اور وقت کا ضیاع بھی نہ ہو۔

جسمانی ورزش کرے اور پا پیادہ چلنے کی مشقت اٹھانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، کیوں کہ اس سے زائد فضلات جسم سے خارج ہو جاتے ہیں، بدن میں چستی اور نشاط پیدا ہو جاتا ہے، اور حلال ہمبستری کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جب کہ ضرورت کے وقت اعتدال کے ساتھ ہو، کثرت سے بہت پرہیز کرے، اس سے ذہن کی صفائی اور طبیعت میں چستی پیدا ہوتی ہے اور زائد فضلات خارج ہوتے ہیں۔ البتہ کثرتِ جماع نقصان دہ ہے، اس سے قوتِ سماعت و بصارت کمزور ہوتی ہے، انسان کے پٹھے بھی کمزور اور حرارتِ غریزیہ اور قوتِ ہاضمہ وغیرہ بھی مضمحل ہوتی ہے، علاوہ ازیں بہت سے امراض جنم لیتے ہیں، محققینِ اطباء کا خیال ہے کہ ضرورت یا مجبوری کے سوا عملِ جماع کا ترک کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب طبیعت میں اکتاہٹ کا اندیشہ ہو تو اپنے نفس کو آرام دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بعض اکابر علماء اپنے شاگردوں کو بسا اوقات تفریح گاہوں میں لے جاتے تھے اور وہاں جا کر آپس میں ایسا ہنسی مزاح کرتے تھے جو ان کے دین یا عزت و ناموس کے خلاف نہ ہوتا تھا۔

(۱۰) اپنے لیے رفیق کیسا منتخب کرے

متعلم کو چاہئے کہ زیادہ میل جول سے پرہیز کرے، ایک طالبِ علم کے لئے یہ امر انتہائی اہم ہے کہ وہ زیادہ میل جول سے کنارہ کشی اختیار کرے، خصوصاً جو اس کا ہم جنس بھی نہ ہو اور اس کا زیادہ وقت کھیل کود میں گزرتا ہو، فکر و دانش بھی کم رکھتا ہو، اس سے لازمی طور پر پہلوتہی برتے۔ کیوں کہ انسانی طبائع جلد اثر قبول کرتی ہیں۔ نیز زیادہ میل جول رکھنے کا نقصان یہ ہے کہ عمر، بے فائدہ ضائع ہوتی ہے اور دنیا کا مال و متاع بھی اور دین بھی خواہ مخواہ جاتا رہتا ہے۔ ایک طالبِ علم کی شان یہ ہونی چاہئے کہ دوسرے سے اس کا تعلق افادہ اور استفادہ کا ہو۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ عالم بنو یا متعلم، تیسرا شخص نہ بنو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔''

(حدیث ضعیف اُخرجہ بخوہ البزار ۱/۱۳۴، وابونعیم ۷/۲۳۶۔۲۳۷، وابن عبدالبر فی ''بیان العلم وفضلہ'' (۱۵۱)

اگر ایسے ساتھی سے واسطہ پڑ جائے جس کے ساتھ تعلق رکھنے سے زندگی بے فائدہ اور بے کار گزر رہی ہو کہ اس سے افادہ یا استفادہ کا تعلق نہ ہو اور وہ اس کے علمی مقصد میں کامیابی کے لیے معین و مددگار ثابت نہ ہو رہا ہو تو شروع ہی میں اس سے میل جول ترک کر لے، لیکن اس معاملہ میں سختی کی بجائے نرمی برتے، کیونکہ اگر میل جول مضبوط ہو گیا تو اس سے خلاصی حاصل کرنا دشوار ہو جائے گا۔ اگر متعلم سمجھے کہ اسے کسی رفیقِ علم کی ضرورت ہے تو اس کے لئے نیک، دیندار، متقی پرہیز گار، ذہین و ذکی طالبِ علم کا انتخاب کرے جس میں خیر کا پہلو زیادہ ہو، شر کا کم ہو، با تہذیب ہو، لڑائی جھگڑا کم کرتا ہو، بھولنے پر اس کو یاد دلاتا ہو، یاد ہونے پر اس کی مدد کرتا ہو، احتیاج و ضرورت پیش آنے پر ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہو، پریشانی کی حالت میں صبر و تحمل اختیار کرنے اور حوصلہ بلند رکھنے کا امر کرتا ہو۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں چند اشعار مروی ہیں:

فلا تصحب أخا الجهل و ایّاک و ایّاه
فکم من جاهلٍ اردی حلیماً حین و اخاه
یقاس المرء بالمرء اذا ما هو ماشاه

''نادان کو دوست نہ بناؤ، اپنے آپ کو اس سے دور رکھو، اس لیے
کہ کتنے ہی نادان ایسے ہیں کہ جب حلیم و بردبار آدمی نے ان کو اپنا
بھائی بنایا تو وہ برباد ہو گئے، انسان جس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے
لوگ اس کو اُسی پر قیاس کرتے ہیں۔''

نیز کسی شاعر کا شعر ہے:

اِنّ أخاک الصدق من کان معک و من یضرّ نفسه لینفعک
و من اذا ریب الزمان صدّعک شتّت شمل نفسه لیجمعک

''تیرا مخلص بھائی وہ ہے جو تیرے ساتھ رہے اور تیرے فائدہ کی
خاطر اپنا نقصان گوارا کر لے اور جب حوادثِ زمانہ تجھے پریشانی
میں مبتلا کریں تو وہ تیرے سکون کی خاطر خود کو بے سکون کر لے۔''

فصل دوئم

﴿استاذ کے ادب اور عظمت واحترام کے بیان میں﴾

اس فصل کے تحت تیرہ قسمیں ہیں:

(۱) علم حاصل کرنے کیلئے اہل علم وتقویٰ کو منتخب کرنا

طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ پہلے غور کرے اور جس سے علم اور حسنِ
اخلاق اور حسن آداب حاصل کرے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرے۔ اگر ممکن

ہو سکے تو ایسے استاذ کا انتخاب کرے جن کی اہلیت کمال کو پہنچی ہو اور شفقت و مروت اور عفت و صیانت میں معروف ہو۔ بہترین تعلیم اور اعلیٰ تفہیم کا حامل ہو اور ایسے استاذ کی طرف راغب نہ ہو کہ علم میں تو مشہور ہو مگر تقوی، دین اور اخلاق میں کمزور ہو۔ کسی بزرگ کا فرمان ہے: **ھذا العلم دین فانظروا عمن تأخذون دینکم،** یعنی یہ علم دین ہے جن سے تم اپنا دین حاصل کر رہے ہو ان کو پہلے دیکھو، کمزوروں کو چھوڑ کر مشہور و معروف کے پیچھے لگنے سے بچو۔ امام غزالی وغیرہ علماء نے اس کو کبر قرار دیا۔ اور عین حماقت سے تعبیر کیا ہے۔ اس لیے کہ حکمت مومن کا گمشدہ متاع ہے جہاں سے ملے اس کو حاصل کرے جس طرح ملے غنیمت جانے اور پہنچانے والے کا احسان مند ہو۔ اس لئے کہ جہالت سے ایسا بھاگا جاتا ہے جیسا شیر سے بھاگا جاتا ہے اور شیر سے بھاگنے والا یہ نہیں دیکھتا کہ کون اس کو بتاتا ہے کوئی بھی اس کی راہنمائی کرے قبول کرتا ہے۔

اور اگر کمزور سے برکت کی امید ہے تو مشہور کے مقابلے میں اس سے زیادہ فائدہ ہوگا۔ اگر تو اسلاف کے احوال کا جائزہ لے تو تجھے معلوم ہوگا کہ نفع کا حصول اکثر ان مشائخ سے ہوا ہے جو دولت تقویٰ سے مزین ہوں اور طلبہ کے لئے خیر خواہ اور شفیق ہوں۔

اس طرح اسلاف کی تصنیفات کو دیکھیں تو سب سے زیادہ فائدہ ان بزرگوں کی تصانیف سے ہوا جو تقویٰ للھیت اور زہد میں وافر حصہ پائے ہوں۔

اور انتخاب استاذ میں کوشش یہ ہو کہ استاذ علوم شریعت کا مکمل درک رکھتا ہو، اور ان علوم کو وقت کے چیدہ مشائخ سے حاصل کر چکا ہو۔ محض مطالعہ کے زور سے عالم نہ بنا ہو۔ اور علوم کو استاذ کے بغیر محض ذہانت سے اخذ نہ کیا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ کا فرمان ہے:

"**من تفقّه من بطون الکتب، ضیّع الاحکام**" جو (استاذ کے بغیر) محض کتابوں سے فقہ حاصل کرے گا وہ احکام کو ضائع کرے گا۔ کسی امام کا قول ہے۔

"من اعظم البلية تشيخ الصحيفة" محض کتاب کے ذریعے (استاذ کے بغیر) شیخ بننا بھی بڑی مصیبت ہے۔"

(۲) استاذ کی فرمانبرداری اور تواضع

تمام معاملات میں استاذ کا تابع فرمان ہو اور کسی کام اور تدبیر میں استاذ کی رائے سے نکلنے نہ پائے بلکہ استاذ کے سامنے ایسا ہو جیسا کہ ماہر ڈاکٹر کے سامنے مریض ہوتا ہے، اپنے تمام کام استاذ کے مشورہ سے کرے۔ استاذ کے احترام میں انتہاء کردے ان کی خدمت کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرے۔ اور یہ یقین کرلے کہ استاذ کے سامنے پامال ہونا عزت کی معراج ہے۔ ان کے سامنے عاجزی فخر اور تواضع مرتبے کی بلندی ہے۔ حکایت ہے کہ علماء کے زیادہ احترام پر کسی نے امام شافعیؒ کو عتاب کیا تو فرمایا: شعر

أهين لهم نفسي فهم يكرمونها　　　ولن تكرم النفس التي لاتهينها

ترجمہ: "میں ان کے لئے اپنے نفس کو پامال کرتا ہوں تو وہ اس کا احترام کرتے ہیں۔ اس نفس کی کبھی تکریم نہیں ہوگی جس کو پامال نہ کیا گیا ہو۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مع اپنی جلالت شان ومرتبہ کے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے رکاب کو پکڑ کر چلتے اور فرماتے:

﴿هكذا امرنا ان نفعل بعلمائنا﴾

"ہمیں اپنے علماء کرام کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت امام خلف الاحمر سے فرمایا: لا اقعد الابين يديك "میں آپ کے سامنے ہی بیٹھوں گا" ہمیں اساتذہ کرام کے ساتھ تواضع

سے پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔

امام غزالیؒ نے فرمایا: علم تواضع اور فرماں برداری ہی سے حاصل ہوگا۔

اور یہ بھی فرمایا! اگر شیخ جب بھی تعلیم کی طرف کوئی راہنمائی کرے اس کو بلاچون و چرا قبول کرے اور اپنی رائے کو ترک کردے۔ استاذ کی خطا پر عمل کرنا اپنی صحیح رائے پر عمل کرنے کے مقابلے میں زیادہ نفع بخش ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اس کی طرف ان الفاظ سے تنبیہ فرمائی:

﴿اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مِعی صَبْرًا﴾

''آپ میرے ساتھ (رھکر) صبر نہیں کرسکتے''

رسالت وعلم اور عظیم المرتبت ہونے کے باوجود خاموش رہنے کا حکم دیا گیا، چنانچہ فرمایا:

﴿فَلاَ تَسْئَلْنِی عَنْ شَیْءٍ حَتّٰی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا﴾

(الکهف)

(۳) شیخ کی تعظیم کرنا اور ان کے شایانِ شان صفات بیان کرنا

استاذ کو قدر کی نگاہ سے دیکھے۔ اور اس کو باکمال سمجھے۔ اس سے حصول نفع زیادہ ہوگا۔ بعض اسلاف کا طریقہ رہا ہے کہ جب وہ اپنے استاذ کے پاس جانے کا ارادہ کرتے تو صدقہ کرتے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے: کہ اے اللہ استاذ کے عیب کو مجھ سے پوشیدہ رکھئے اور ان کے علم کی برکات سے مجھ کو محروم نہ فرما۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: میں حضرت امام مالکؒ کے سامنے بوجہ ان کی هیبت ورعب کے کتاب کے اوراق آہستہ سے پلٹا تا تھا۔

حضرت ربیعؒ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم جس وقت حضرت امام شافعیؒ میری طرف دیکھ رہے ہوں تو میں نے کبھی بھی پانی پینے کی جرأت نہیں کی۔ ان کی ہیبت کی وجہ سے۔

امام شریکؒ کے پاس خلیفہ مہدی کے بیٹوں میں کسی نے حاضری دی اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اور حضرت شریکؒ سے کسی حدیث کے متعلق سوال کیا تو امام صاحب نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔ پھر اس نے پوچھا تو امام صاحب کا رویہ وہی رہا تو اس نے کہا: آپ خلفاء کی اولاد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہو؟ تو امام شریکؒ نے فرمایا: نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن علم اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظمت رکھتا ہے اس کو ضائع نہیں کیا جاتا۔ اور یہ بھی فرمایا: علم کو ضائع کرنے سے بہتر ہے کہ وہ اہلِ علم کے پاس ہی رہے۔"

استاذ کو تُو اور تم کہہ کر مخاطب نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی دور سے آواز دی جائے، بلکہ خطاب میں یا سیدی، یا سیدی! کہہ کر مخاطب ہونا چاہئے۔

خطیبؒ نے کہا، ایھا العالم یا ایھا الحافظ یا اس جیسے احترام کے کلمات استعمال کرنا چاہئے، حتی کہ ان کی غیر موجودگی میں ان کے نام کے ساتھ تعظیمی کلمات ملا کر بولنا چاہئے۔

جیسا کہ میرے شیخ نے فرمایا، یا میرے استاذ محترم کا ارشاد ہے یا اس جیسے محترم الفاظ کہے۔

(۴) استاذ کے فضل کو فراموش نہ کرنا

حضرت امام شعبیؒ فرماتے ہیں، جس شخص سے میں حدیث سنتا ہوں زندگی بھر اس کا غلام بنتا ہوں۔ اور فرمایا

اس بنا پر ان کی تعظیم کرے۔ اس کی غیبت کی سختی سے تردید کرے۔ اور اس پر غصہ کرے اور اگر ایسا نہ کر پائے تو اس مجلس سے اٹھے اور جدا ہو جائے۔

استاذ کی زندگی میں ان کے لئے دعا کرتا رہے اور وفات کے بعد ان کی اولاد، رشتہ دار اور دوست احباب کے ساتھ رعایت کا معاملہ کرے۔ اور کبھی ان کے مزار کی

زیارت کرے ان کے لیے استغفار کرے اور صدقہ دے کر ان کے لئے ایصالِ ثواب کرے، اور ان کی راہ چلے۔ علم اور دوسرے امورِ دینی میں ان کی عادات کی پیروی کرے۔

(۵) استاذ کے خلافِ طبع فعل پر صبر کرنا

اگر استاذ سے کوئی زیادتی سرزد ہو جائے یا ان کی ترش روئی اور سوءِ خلق اس کے حسن عقیدت اور اس کی صحبت کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔ استاذ کی ان حرکات کی تاویل کرے اور استاذ کی زیادتی یا ظلم کے وقت عذر خواہی کرے توبہ استغفار کرے اور استاذ کے عتاب کو برداشت کرے یہ استاذ کی محبت کو برقرار رکھنے کا سبب ہے۔ طالبِ علم کی دنیا وآخرت کے لئے نافع ہونے کا ذریعہ ہے۔

کسی بزرگ کا قول ہے۔ جو تعلیم کے لئے ذلت برداشت نہیں کرسکتا وہ ساری زندگی جہالت کی اندھیریوں میں ہی رہے گا۔ اور جو اس کو برداشت کرے گا، دنیا وآخرت میں عزت پائے گا۔

اصبر لدائک ان جفوت طبیبه　　　واصبر لجهلک ان جفوت معلما

ترجمہ: اگر تو اپنے طبیب سے بدعنوانی کرے گا تو ہمیشہ بیمار ہی رہے گا اور اگر شاگرد نے معلم سے بدتمیزی کی تو وہ ہمیشہ جاہل رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، طالب علم بن کر ذلت برداشت کرو گے تو مطلوب بن کر عزت پاؤ گے۔ انہی کا قول ہے، شعر

ان المعلم و الطبیب کلیهما　　　لا ینصحان اذا هما لم یکرما

اگر استاذ اور ڈاکٹر کی تکریم وتعظیم نہ کی جائے تو وہ خیر خواہی نہیں کرتے۔

معافی بن عمران فرماتے ہیں:

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا: حضرت سفیان بن عیینہؒ سے کسی نے کہا لوگ تیرے پاس دنیا کے کونے کونے سے آتے ہیں اور آپ ان پر غصہ کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ لوگ آپ کو چھوڑ دیں گے آپ کے پاس نہیں آیا کریں گے۔ تو کہنے والے سے فرمایا، اگر وہ میرے سوءِ خلق کی وجہ سے اپنے نفع و فائدے کو چھوڑیں تو وہ تیری طرح احمق ہوں گے۔

حضرت امام ابویوسفؒ نے فرمایا: پانچ چیزوں کی مدارت انسان پر واجب ہے۔

ان میں سے ایک وہ عالم بھی ہے جن سے علمی فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔

(۶) استاذ کے ارشادات وافادات پر شکر گزار ہونا

استاذ اگر کسی اچھی صفت کی طرف نشاندہی کرے یا کسی بری صفت پر توبیخ کرے یا کسی کمی وخامی کی طرف اشارہ کرے، تو استاذ کا شکریہ ادا کرے۔

اور استاذ کے ڈانٹ ڈپٹ کو نعمت الٰہی سمجھے اور یہ سمجھیں کہ استاذ کی نظر توجہ اس کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ یہ استاذ کے دل کو مزید اس کی طرف متوجہ کرنے کا باعث بنے گا۔

استاذ اگر کسی دقیق ادب یا شاگرد سے صادر شدہ کسی نقص پر تنبیہ کرے اور شاگرد پہلے سے اس سے متنبہ ہو تو شاگرد یہ باور نہ ہونے دے کہ اس کو اس بات کا علم پہلے سے ہے بلکہ اس پر استاذِ محترم کا شکریہ ادا کرے اور اس کا کوئی عذر ہو تو استاذ کو مطلع کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور نہ بتانے میں مفسدہ کا خطرہ ہو تو بتانا ہی ضروری ہے۔

(۷) استاذ سے اجازت طلب کرنے کے آداب

عام درس کے علاوہ اوقات میں بلا اجازت نہ آئے۔ چاہے استاذ اکیلا بیٹھا ہو

یا اس کے پاس کوئی موجود ہو۔ اجازت چاہنے پر اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ بار بار اجازت طلب نہ کرے۔ ہاں اگر اس کے آنے کے متعلق استاذ کے باخبر نہ ہونے کا شک ہو تو بھی تین مرتبہ سے زیادہ دروازہ کھٹکھٹانا نہیں چاہئے۔ اور دروازہ کھٹکھٹانے میں بھی استاذ کا ادب ملحوظ رہے۔ پہلے ناخن سے آہستہ آہستہ کھٹکھٹائے، پھر انگلیوں سے، پھر کواڑ سے، ہاں اگر استاذ کی نشست گاہ دروازے سے دور ہو تو اتنی آواز میں کھٹکھٹائے جو استاذ تک پہنچے۔ اور اجازت مل جائے اور ملنے والے جماعت کی صورت میں ہوں تو بڑا سب سے آگے ہو اور سلام عرض کرے پھر دوسرے ساتھی سلام کریں۔ استاذ کے پاس اچھی ہیئت پاک اور صاف ستھرا ہو کر جانا چاہئے۔

ناخن وغیرہ صحیح کر کے جائے اور کوئی بدبودار چیز وغیرہ ساتھ نہ ہو۔ خصوصاً سبق کے لئے جانا ہو تو اس کا اہتمام ضروری ہے کیوں کہ یہ مجلس ذکر وعلم ہے۔

استاذ کے پاس اگر کوئی بیٹھا ہو اور باتیں کر رہا ہو تو خاموشی کے ساتھ بیٹھ جائے۔ یا استاذ نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر میں مشغول ہو یا لکھنے پڑھنے میں مصروف ہو اور وہ اس کو چھوڑ دے تو کلام کرنے میں پہل نہ کرے اور کلام کو طویل نہ کرے۔ ضرورت کی بات کر کے سلام کر کے جلدی اٹھ جائے۔ ہاں اگر استاذ اس کو ٹھہرنے کا حکم دے تو ٹھہر جائے۔ پھر زیادہ دیر نہ ٹھہرے۔

بہتر یہ ہے کہ استاذ کے پاس ایسے وقت میں جانا چاہئے کہ جس میں وہ مصروف نہ ہو۔ سونے یا کھانے یا کسی اور مصروفیت کے وقت اس کے پاس نہ جائے بلکہ فارغ وقت میں جائے تاکہ خوب انشراح کے ساتھ جو کچھ کہنا ہو کہہ دے۔

استاذ کو اگر اپنی نشست پر نہ پائے تو انتظار کرے۔ تاکہ سبق ضائع نہ ہو۔ اس لئے سبق کا کوئی بدل نہیں ہے۔ استاذ کو باہر نکالنے کے لئے دروازہ نہ کھٹکھٹائے۔ اگر آرام فرما رہے ہوں تو بیداری تک صبر کے ساتھ انتظار کرے یا جا کر دوبارہ آجائے۔ مگر بیٹھ کر صبر کرنا زیادہ نفع مند ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما طلبِ علم کے لئے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھے رہتے جب تک وہ بیدار نہ ہوتے۔ لوگ کہتے: ان کو اٹھا نہ دیں۔ فرماتے نہیں۔ بسا اوقات کافی زمانہ بیٹھے رہتے۔ اساتذہ کے ساتھ اسلاف کا یہی طرز عمل تھا۔ بے وقت استاذ سے پڑھانے کا مطالبہ نہ کیا جائے، اور نہ عام درس سے ہٹ کر اپنے لئے مخصوص وقت طلب کرے۔ اگر چہ بڑا رئیس کیوں نہ ہو۔ بعض دفعہ استاذ حیا کی وجہ سے انکار تو نہیں کر سکتا مگر اس سے طالب علم کو فائدہ نہیں ہوگا۔

(۸) استاذ کے سامنے ادب کے ساتھ بیٹھنا

استاذ کے سامنے انتہائی ادب کے ساتھ دو زانو ہو کر بیٹھے۔ سکون، خضوع و خشوع کے ساتھ بیٹھے۔ شیخ کی طرف دیکھتے ہوئے ہمہ تن وگوش ہو کر ان کی باتوں کو سنے اور سمجھنے کی بھر پور کوشش کرے۔ بلا ضرورت دائیں بائیں، اوپر نیچے نہ دیکھے۔ خصوصاً دوران سبق یا استاذ کے ساتھ بات چیت کے وقت تو اس پر سختی سے عمل کرنا چاہئے۔

اور اس وقت استاذ ہی کی طرف نظر کرنا چاہئے۔ استاذ کے سامنے نہ آستین کو جھاڑ دے نہ آستین چڑھائے نہ ہی ایسے ہاتھ پیر کے ساتھ کھیلے، اور ہاتھ کو منہ یا داڑھی پر نہ رکھے، نہ ہی ناک میں ہاتھ رکھے اور اس سے کچھ نکال لے، اور زمین پر ہاتھ نہ مارے اور نہ ہی فرش پر ہاتھوں سے خط کھینچے۔ استاذ کی طرف پہلو اور پیٹھ بھی نہ کرے۔ بلاضرورت زیادہ کلام نہ کرے۔ اور ہنسانے والی بات بھی نہ کرے۔ ایسی کوئی حرکت یا کوئی بات جس سے بے ادبی کی بو آتی ہو نہ کرے۔ بلا وجہ نہ ہنسے، اگر ہنسنے کی ضرورت ہو تو روک لے اور تبسم پر اکتفا کرے۔ استاذ کی موجودگی میں کسی دیوار یا کسی اور چیز پر ٹیک نہ لگائے نہ ہی ہاتھوں کو پیچھے کر کے اس پر ٹیک لگائے۔

بلاضرورت بار بار نہ کھانسے، نہ تھوکے، اگر تھوکنے کی ضرورت ہو تو رومال یا اور

کوئی کپڑا وغیرہ منہ میں رکھ کر اس میں لعاب ڈال دے۔ اور یہ سارا عمل پوشیدہ طور پر کرنے کی کوشش کرے۔ استاذ کے ساتھ بات بحث و مباحثہ کرتے وقت ہاتھوں کو نہ ہلائے۔ اگر چھینک آئے تو حتی المقدور آواز پست کرنے کی کوشش کرے، رومال سے چہرے کو ڈھانپ دے اگر جمائی آجائے تو روکنے کی کوشش کرے، اگر روکنے پر قادر نہ ہو تو منہ پر ہاتھ رکھ دے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عالم کا تجھ پر یہ حق ہے کہ ان کی مجلس کے لوگوں پر عمومی سلام اور ان پر خصوصی سلام کیا جائے۔ ان کے سامنے بیٹھا جائے، ان کے سامنے ہاتھوں سے اشارے ہرگز نہ کرے۔ نہ ہی آنکھوں سے اشارے ہوں۔ ان کو ہرگز یہ نہ کہے کہ فلاں شخص تیری بات کی مخالفت کرتا ہے، ان کے سامنے کسی کی غیبت کرنے سے گریز کرو۔ ان کی غلطی کے درپے نہ ہو، اگر ان سے غلطی ہو بھی جائے ان کو معذور سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ان کا احترام کریں اگر ان کو کسی کام کی ضرورت ہو تو دوسروں سے بڑھ کر کرنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ سستی یا کاہلی کا مظاہرہ کرے تو الحاح نہ کرے۔ ان کی مجلس اور صحبت کو غنیمت جانے ان کی مثال ثمر اور درخت کی سی ہے۔ انتظار میں رہنے سے پھل پھینک دیتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وصیت میں استاذ کے ادب کے متعلق تمام ضروری باتیں بتادی ہیں۔

بعض بزرگوں کا کہنا ہے، استاذ کی تعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے پہلو اور برابر میں نہ بیٹھا جائے اور نہ ہی ان کی جائے نماز میں بیٹھا جائے، اور ان کے تکیے پر ٹیک نہ لگائی جائے، اگر استاذ حکم بھی دے تو ایسا نہ کرے ہاں اگر وہ سختی سے حکم دے تو اس پر عمل کرنے میں مضائقہ نہیں ہے، پھر بھی بعد میں ایسا نہ کرے۔

اس مقام پر بعض علماء نے کلام کیا ہے کہ آیا ایسے موقع پر ادب کے تقاضے پر عمل کرنا اولیٰ ہے یا استاذ کے حکم کی تعمیل بہتر ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ اگر استاذ جزم کے ساتھ حکم دے اور اس کی خلاف ورزی دشوار ہو تو امتثال امر اولیٰ ہے۔ اگر استاذ جزم سے

حکم نہیں دے رہا ہو محض اس کی دل جوئی کے لئے کہہ رہا ہو، امتثال امر کے بجائے تقاضہء ادب پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ استاذ اسکے اداب واحترام کا امتحان لے رہا ہو۔

(۹) استاذ سے سوال کرتے وقت ادب کوملحوظ رکھنا

استاذ سے خطاب کے وقت حتی المقدور ادب کے پہلو کوملحوظ رکھنا چاہئے۔ کیوں، نہیں، میں نہیں مانتا، نہیں اس کو کس نے نقل کیا ہے، یہ بات کہاں ہے، اورر اس جیسے کلمات ہرگز نہ کہے۔ اگر ان سے استفادہ مقصود ہوتو انتہائی نرم لہجے میں ادب کے ساتھ ہم کلام ہو۔ کسی بزرگ کا قول ہے۔ جو اپنے استاذ سے کہے کیوں، وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگا۔ استاذ اگر کوئی بات ارشادفرمائے تو یوں نہ کہے میں بھی یہی کہتا ہوں۔ یا میرے دل میں یہ بات آئی ہے یا میں نے بھی یہ بات سنی ہے۔ یا فلاں شخص نے بھی یہی کہا ہے۔ ہاں اگر شیخ اس کو پسند کرتا ہوتو علیحدہ بات ہے، یوں بھی نہ کہے کہ فلاں شخص نے اس کے خلاف کا قول کیا ہےاور یہ بھی نہ کہے یہ صحیح نہیں ہے۔

اگر استاذ سھواً کوئی خلاف واقعہ بات کہدے یا کسی غیر مدلل بات پر اصرار کرے تو اپنے چہرے پر تغیر نہ لائے۔ اور نہ آنکھوں سے اس کی طرف اشارہ کرے، اور نہ ہی ہاتھوں سے اس کی طرف اشارہ کرے۔ بلکہ خوشی سے اس کو قبول کرنے کا تاثر دے۔ اور دل میں یہ خیال کرے کہ انسان غلطی کا پتلا ہے۔ معصوم صرف انبیاء کرام ہیں۔ استاذ کے ساتھ خطاب میں عامیانہ گفتگو نہ کرے، اور ایسے کلام سے گفتگو نہ ہو جو عام لوگ آپس میں کرتے ہیں، مثلاً یوں کہہ دیا کہ تجھے کیا ہوا۔ سمجھتے کیوں نہیں، سمجھ گئے؟ آپ سمجھے نہیں، اے انسان، یار اور اس جیسے الفاظ استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔ حتی کہ دو آدمیوں کی آپس میں ایسی مخاطبت بھی نقل نہ کرے جس میں بے ادبی کا عنصر ہو۔ مثلاً یوں کہنا کہ فلاں نے فلاں سے کہا تو بڑا بے فائدہ شخص ہے۔ تیرے اندر کوئی خیر نہیں ہے،

بلکہ ان جیسے خطابات کو کسی احسن پیرائے میں بیان کرے اور یوں کہے کہ فلاں نے فلاں سے کہا کہ اس میں خیر و بھلائی نہیں وغیرہ

۱۰, استاذ کو تردیدی کلمات نہ کہے۔ جو اکثر لوگ اس کا اہتمام نہیں کرتے مثلاً استاذ کہہ دے تو نے ایسا ایسا کہا ہے؟ اور جواب میں کہدے میں نے ایسا نہیں کہا ہے۔ یا استاذ کہدے تیری مراد یہ ہے۔ جواب یں کہے میری مراد یہ نہیں ہے۔ بلکہ کسی احسن اور لطیف پیرائے میں اپنا دفاع کرے۔

اس طرح اگر استفہام تقریری کے طور پر یوں پوچھے کہ کیا تو نے ایسا نہیں کہا ہے تو جواب میں نفی میں تردید نہ کرے یوں نہ کہے کہ نہیں میں نے نہیں کہا ہے، بلکہ خاموشی اختیار کرے، یا کسی لطیف پیرائے میں توریہ سے کام لے کہ جس سے استاذ سمجھ سکے اگر صاف کہے بغیر کوئی صورت نہیں بنتی ہو تو یوں کہے۔ اب میں یوں کہتا ہوں، اب میری رائے یوں ہے۔

(۱۰) استاذ کے سوال کا جواب دینے کے آداب

شیخ کو کسی ایسے مسئلے کا حکم یا عجیب نکتہ بیان کرتے ہوئے سنے جو پہلے سے اس کو آتا ہو یا کوئی حکایت یا شعر جو پہلے سے اس کو یاد ہو کہتے ہوئے سنے تو بے رخی سے نہ سنے بلکہ شوق و ذوق کا اظہار کرتے ہوئے اور خود کو ضرورت مند ظاہر کرتے ہوئے اس کو سنے اپنی خوشی کا اظہار کرے جس سے یہ تاثر ہو کہ اس کو کوئی نئی چیز مل گئی۔

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں، بسا اوقات کسی شخص سے کوئی حدیث سنتا ہوتا ہوں حالانکہ میں اس سے زیادہ واقف ہوتا ہوں مگر سنانے والے کو میں تاثر دیتا ہوں کہ گویا اس کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں ہے۔

اور یہ بھی فرماتے ہیں، کہ بعض دفعہ کوئی نوجوان مجھے کوئی ایسی حدیث سناتا ہے جس کے متعلق میں اس کی پیدائش سے بھی پہلے واقف ہوتا ہوں، مگر اس کو اس سے سنتا

ہوں۔اگر استاذ حدیث سنانے سے پہلے یہ پوچھے کہ فلاں حدیث یاد ہے؟اگر یاد ہوتو نعم ''ہاں'' سے جواب نہ دے کیوں کہ اس میں استاذ سے استغناء مترشح ہوتا ہے اور''نہیں یاد ہے'' بھی نہ کہے کیوں کہ یہ جھوٹ ہے۔

بلکہ یوں کہے،استاذ سے سننے کا کوئی اور مزا ہے۔آپ سے بھی سننا چاہتا ہوں وغیرہ الفاظ کہے۔

اگر استاذ پہلے سے یاد کرنے کو پسند کرتا ہو یا حفظ کرنے کا حکم دیا اور یاد کے بارے پوچھے تو ہاں کہنا ہی افضل ہے کیوں کہ اس میں استاذ کی رضامندی ہے۔اور اس کا حکم ہے،اسی میں برکت ہے۔

بار بار اعادہ کا مطالبہ نہ کرے۔

حضرت امام زہریؒ فرماتے ہیں:''**اعادة الحديث اشد من نقلي الصخر**'' ترجمہ: حدیث کو دوہرانا چٹان اٹھانے سے بھی بھاری ہے۔''

سننے اور سمجھنے میں سستی ہرگز نہ ہونے پائے۔خیال کو کسی اور جگہ متوجہ کر کے پھر استاذ سے حدیث دوہرانے کا مطالبہ ہرگز نہ ہو۔کیوں کہ یہ بے ادبی ہے۔بلکہ شروع سے ہمہ تن گوش ہوکر سننے اور سمجھنے کی بھرپور کوشش کرے۔

بعض مشائخ ایسے لوگوں کے کہنے پر نہ صرف سبق نہیں دوہراتے بلکہ ایسوں کو سزا بھی دیتے ہیں۔ہاں شیخ سے فاصلے پر ہونے کی وجہ سے نہ سن سکے یا بھرپور سننے اور سمجھنے کی کوشش کے باوجود نہ سمجھ سکے تو دوہرانے کی درخواست کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ساتھ اپنا عذر بھی ادب کے ساتھ بیان کرے۔

(۱۱) بات چیت میں استاذ سے سبقت نہ کرے

کسی مسئلہ کی تشریح یا سوال کے جواب دینے میں پہل نہ کرے۔نہ ہی اپنی معرفت کا اظہار کرے۔ہاں اگر استاذ خود حکم دے تو تشریح کرنے یا سوال کے جواب

بتانے میں کوئی حرج نہیں۔

استاذ کے کلام کو قطع نہ کرے فارغ ہونے تک صبر کرے۔ اگر استاذ اس سے بات کر رہے ہوں تو وہ کسی اور سے بات نہ کرے۔ ہر وقت دماغ حاضر کر کے رہے۔ استاذ اگر کسی کام کا حکم دے یا کسی چیز کے متعلق پوچھے تو فوراً جواب دے۔ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت نہ ہو۔

(۱۲) شیخ سے کوئی چیز لینے دینے کے آداب

استاذ اگر کوئی چیز پکڑا دے تو دائیں ہاتھ سے پکڑے۔ اگر استاذ کوئی دیدے تو دایاں ہاتھ دے۔ خط یا کتاب یا اور کوئی دستاویز وغیرہ ہو تو کھول کر استاذ کی خدمت میں پیش کرے۔ لپیٹ کر نہ دے۔ استاذ سے ورق یا کوئی کتاب لے تو لپیٹنے سے پہلے لے لے، اگر استاذ کو کوئی کتاب دے تو کھول کر بلکہ جس مقام کو استاذ دیکھنا چاہتا ہو وہ مقام نکال کر دے۔ استاذ اگر دور بیٹھا ہو تو دور سے ہاتھ نہ بڑھائے، جس سے استاذ کو ہاتھ آگے بڑھانا پڑے، بلکہ کھڑا ہو کر استاذ کے سامنے جا کر ان کی خدمت میں پیش کرے۔ اور اگر سامنے بیٹھ جائے تو بہت زیادہ قریب نہ ہو۔ یہ بھی بے ادبی ہے۔ اپنا پیر یا ہاتھ یا اپنے بدن کا کوئی حصہ یا کوئی کپڑا استاذ کے کپڑوں یا ان کے تکیہ یا جائے نماز وغیرہ کے اوپر نہ رکھے۔

ہاتھ سے استاذ کی طرف اشارہ بھی نہ کرے اور نہ ہی اتنا قریب ہو کہ بدن کا کوئی حصہ لگ جائے۔ استاذ کو اگر قلم پکڑائے تو قلم کا ڈھکنا کھول کر دے۔ اس طرح اگر دوات ان کے سامنے رکھے اور ڈھکن کھول کر لکھنے کے لئے تیار کر کے رکھ دے۔ چھری یا چاقو پکڑانا ہو تو دھار کو استاذ کی طرف نہ کر دے بلکہ اس کی نوک خود پکڑے اور دستہ کا رخ استاذ کی طرف بڑھا دے۔

اگر نماز کے لئے مصلی وغیرہ پیش کرنا ہو تو کھول کر پیش کرے بلکہ بہتر اور

ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو بچھا دے۔ جب بچھا چکے تو بائیں طرف پیچھے کو کھسک جائے جیسا کہ صوفیاءِ کرام کا طرزِ عمل ہے۔

استاذ کی موجودگی میں جائے نماز پر نہ بیٹھے۔ اور نہ اس پر نماز پڑھے۔ اگر استاذ اٹھے تو تمام لوگوں سے پہل کرتے ہوئے جائے نماز کو اٹھا دے اور اگر استاذ کو تکلیف نہ ہو تو جوتے ان کے سامنے پہننے کے لئے تیار کر کے رکھ دے۔

ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ اور اپنے استاذ کی رضا مطلوب ہو، کسی کا قول ہے: چار چیزیں ایسی ہیں جن کی ادائیگی سے کوئی شریف انسان ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا اگر چہ وہ حکمران کیوں نہ ہو،

(۱) اپنے والد کے احترام میں مجلس سے اٹھنا

(۲) استاذ کی خدمت،

(۳) جس چیز کو نہیں جانتا ہو اس کے بارے میں پوچھنا

(۴) مہمان کی خدمت کرنا

(۱۳) استاذ کے ساتھ راہ چلنے کے آداب

اگر استاذ کے ساتھ چلنے کا موقع آجائے اگر رات کا وقت ہو تو استاذ کے آگے آگے چلے اور دن ہو تو ان کے پیچھے چلے۔ الا یہ کہ کسی ضروری وجہ سے اس کے خلاف کرنا پڑے تو آگے ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً زیادہ رش ہو، یا آگے راستہ مجہول ہو، یا کیچڑ وغیرہ ہو یا خطرہ وغیرہ ہو، اگر رش میں چل رہے ہوں تو اپنے ہاتھ آگے رکھ کر یا پیچھے رہ کر ان کی حفاظت کرے۔

اگر استاذ کے آگے آگے چل رہا ہو تو کچھ دیر چلنے کے بعد پیچھے مڑ کر دیکھے۔ اگر وہ اکیلا ہو اور استاذ کھڑے ہو کر اس سے کوئی بات کر رہا ہو تو استاذ کے دائیں جانب کھڑا ہو، بعض نے کہا ذرا آگے ہو کر بائیں جانب کھڑا ہو اور استاذ کی طرف ملتفت ہو۔ چلتے

وقت، استاذ کے ساتھ ساتھ نہ چلے نہ ان کے مزاحم ہی کندھے یا رکاب وغیرہ لگ رہا ہو ایسا نہ کرے۔ گرمی کے موسم میں اگر سایہ میں کھڑے ہوں تو زیادہ سایہ استاذ کے لئے چھوڑے اور سردی کے موسم میں دھوپ۔ استاذ اگر کسی سے بات چیت کرتے ہوئے چل رہے ہوں، تو دونوں کے درمیان حائل نہ ہو، نہ قریب ہو کر سننے کی کوشش کرے۔ استاذ اگر باتوں میں ان کو شامل کرنا چاہے تو درمیان میں نہ آئے بلکہ ایک طرف سے آئے۔

اگر دو ساتھی استاذ کے ساتھ چل رہے ہوں تو استاذ کے دائیں بائیں چلیں، بہتر ہے بڑا دائیں طرف اور چھوٹا بائیں ہو کر چلے۔ اگر راہ چلتے ہوئے استاذ سے ملاقات ہو تو سلام کرنے میں پہل کرے۔ اگر دور ہو تو سلام کرنے کا قصد کرے۔ البتہ دور سے آواز نہ دے۔ اور نہ ہی دور سے سلام کرے۔ اور نہ پیچھے آتے ہوئے پیچھے سے سلام کرے بلکہ آگے ہو کر سلام کرے۔ کسی راستہ کو اختیار کرتے ہوئے استاذ سے مشورہ کرے۔ اگر اختلاف ہو مؤدب انداز سے سمجھا دے۔ یوں نہ کہے کہ یہ درست نہیں ہے یا یہ غلط ہے، بلکہ یوں کہے اس میں بھی میری سمجھ میں یہ آتا ہے یا ایسا ہو شاید بہتر ہوگا وغیرہ

تیسری فصل

﴿درس و درسگاہ کے آداب کے بیان میں﴾

اس فصل کے تحت بھی تیرہ قسمیں ہیں۔

(۱) پہلے قرآن کریم پھر ہر فن کے متون پھر شروح پڑھنا

پہلے قرآن کریم کو حفظ کرے اور اس میں پختگی پیدا کرے۔ اس کے متعلق تمام علوم حاصل کرے۔ اس لئے کہ قرآن کریم ہی تمام علوم کی جڑ اور اصل ہے۔ حفظ قرآن

کے بعد ہرفن کے متون کو یاد کرے۔ مثلاً حدیث، اصول حدیث، اصول فقہ اور علم نحو و صرف وغیرہ لیکن یہ یاد رہے ان علوم کے حصول کے وقت قرآن کریم سے غافل نہ ہو۔ دوسری کتابوں کی یاد میں مگن ہو کر قرآن کو نہ بھول بیٹھے۔ بلکہ روزانہ قرآن کریم کا بھی دور کرتا رہے۔ قرآن کو ہرگز نہ بھولنے دے اس لئے اس کو بھلانے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ تمام کتابوں کو استاذوں سے ہی حاصل کرے، خود مطالعہ کر کے حل کر کے اس پر اعتماد نہ کرے، بلکہ ہرفن کے بہترین استاذ سے اس فن کو حاصل کرے۔

اپنی استعداد کے مطابق سبق لے، نہ اتنا زیادہ ہو کہ اکتا جائے اور نہ ہی اتنا کم ہو کہ کچھ حاصل بھی نہ ہو۔

(۲) ایک ہی طریق کو لازم پکڑے، خلافیات میں نہ پڑھے

مبتدی کے لئے علماء کے اختلافی مسائل سے بچنا ضروری ہے۔ اس لئے یہ ذھنی انتشار اور عقلی پریشانی کا سبب بنے گا۔ لہٰذا شروع میں ایک فن کی ایک ہی کتاب یا ایک فن کی مختلف کتابیں اگر پڑھنے کی استعداد ہو تو پڑھنا بہتر ہے۔ ایک انداز اپنے استاذ کے مشورے سے پڑھے۔

اگر کسی استاذ کا طریقہ تدریس نقل مذاہب اور نقل اختلافات ہو اپنا کوئی ذاتی مسلک نہ ہو تو بقول امام غزالیؒ ایسے استاذ کے پاس پڑھنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ ایسے استاذ سے فائدہ سے زیادہ نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس طرح ابتداء میں مختلف تصانیف کے مطالعے سے بھی گریز کرنا چاہیئے۔ اس سے وقت ضائع ہوگا ذہن یکسو نہیں رہے گا، متفرق امور کی طرف بٹ جائے گا۔ بلکہ جس کتاب کو پڑھ رہا ہو یا جو فن پڑھ رہا ہو اپنا مکمل وقت اسی کو دے۔ اس کو خوب سمجھ کر پڑھے اور ذہن میں پختہ کرے۔ اس طرح ایک کتاب شروع کر کے مکمل کئے بغیر اس کو چھوڑ کر بلاوجہ دوسری کتاب شروع نہیں کرنا چاہیئے، یہ ناکامی کی علامت ہے۔

ہاں اگر صلاحیت پختہ اور استعداد مضبوط ہو جائے اور علوم میں درک حاصل ہو جائے تو بہتر ہے کہ علوم شریعت میں کسی بھی علم کو پڑھے بغیر نہ چھوڑے۔ تمام علوم کے متعلق معلومات حاصل کرے، بلکہ اگر وقت اور عمر ساتھ دے تو تمام علوم میں تبحر حاصل کرے، اگر تبحر نہ ہو تو کم از کم کسی علم کے بارے جاہل نہ رہے، بلکہ ہر فن وعلم کے اہم اہم مسائل سے ضرور باخبر ہو، اور عمل سے ہرگز غافل نہ ہو اس لئے کہ تمام علوم کے حصول کا مقصود اعظم عمل ہی ہے۔

(۳) سبق کو سمجھ کر استاذ سے تصحیح کر کے پھر پختہ کر دے

سبق کو پہلے استاذ یا کسی اور کو سنا کر تصحیح کرا کر پھر پختہ یاد کر لے اور یاد کرنے کے بعد بھی اس کا تکرار کرتا رہے، پھر وقتاً فوقتاً اس کو دھراتا رہے، تصحیح کے بغیر یاد نہ کرے۔ اس لیے صرف کتاب سے یاد کر کے استاذ کو سنائے بغیر یاد کرنا درست نہیں، بغیر استاذ کے محض کتاب سے یاد کرنا بہت زیادہ مفسدہ کا باعث اور نقصان دہ ہے۔

سبق میں قلم دوات اور مٹانے والی سفیدی وغیرہ لے کر حاضر ہو۔ استاذ اگر اس کی کسی لفظ یا مفہوم کی تغلیط کرے اور وہ درحقیقت غلط نہ ہو، یا استاذ سے غفلت یا سہواً یا سبقت لسانی کی وجہ سے کوئی لفظ غلط صادر ہو تو یہ نہ کہے کہ آپ نے غلط کیا بلکہ اچھے انداز سے اس پر مطلع کرے۔ یا استاذ کو پھر بھی پتہ نہ چلے تو یوں کہے کیا ایسا ہو سکتا ہے۔ تو اگر استاذ اپنے قول سے رجوع کرے تو فبہا ورنہ اس کو کسی اور مجلس کے لئے چھوڑ دے۔ استاذ سے نہ الجھ پڑے، اور یہ خیال کرے ہو سکتا ہے استاذ محترم کی رائے درست ہو۔

اس طرح کسی سوال کے جواب میں استاذ کی غلطی ثابت ہو۔ اور جواب کسی استفتاء کا جواب ہو، یا سائل دور سے آیا ہو دوبارہ نہیں آ سکتا ہو تو اشارہ یا کنایہ یا صریح الفاظ سے استاذ کو متنبہ کرنا ضروری ہے۔ اور اس طرح خاموشی سے رہنا استاذ کے ساتھ خیانت ہے۔ ہاں البتہ بڑے لطیف انداز سے ادب کو ملحوظ رکھ کر نشاندہی کرنا چاہیے۔

(۴) علم حدیث میں مشغول ہونا

پہلے حدیث کے الفاظ کو یاد کرے پھر حدیث کے متعلق علوم سے واقفیت حاصل کرے اس کے اسناد، رجال، اس کے معانی، احکام، فوائد، لغت اور تواریخ میں درک حاصل کرے۔ پہلے صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث پھر دوسری کتب احادیث سے کسب فیض کرے۔ مثلاً مؤطا امام مالک، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، جامع ترمذی، مسند امام شافعی وغیرہ

ان سے کم کتب پر اکتفانہ کرے۔ اس میں مزید ممد معاونت کے لئے امام ابی بکر البیہقی کی السنن الکبری، مسند امام احمد، مسند بزار، حمید وغیرہ

اصول حدیث سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ مثلاً صحیح حدیث، حسن، ضعیف، مسند، مرسل اور دوسرے انواع سے واقفیت لازمی ہے۔

کیوں کہ حدیث علوم شریعت کے دو عظیم بازوؤں میں سے ایک بازو ہے۔ محض سماع پر اکتفاء نہ ہو، جیسے کہ بعض لوگوں کا طریقہ ہے، بلکہ حدیث کے معانی مفہوم سے واقفیت حاصل کرے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا جو حدیث میں غور وفکر کرے گا وہ دلائل کے اعتبار سے قوی ہوگا، اس لئے کہ حدیث سے مقصود ہی درایت ہے۔

(۵) فہم محفوظات کے بعد مبسوطات کی طرف متوجہ ہونا

متون اور ان کے شروحات کو حل کرنے کے بعد مبسوطات کی بحث کی طرف دائمی مطالعہ سے ذہن کو مبذول کرے۔ اور ان کے متعلق جو عجیب وغریب فوائد یا حل مشکلات یا احکام متشابہات میں فرق وغیرہ نظر سے گزرے ضبط کرتا رہے، اور کوئی فائدہ یا قاعدہ نظر سے گزرے اس کو بے فائدہ نہ سمجھیں اور نہ اس کو ہلکا گردانے، بلکہ اس کو یاد

کرے اور قید کتابت میں لائے۔

طلبِ علم میں ہمت بلند سے بلند تر ہو۔ علوم کثیرہ کو حاصل کرنے کی گنجائش ہوتے ہوئے قلیل پر کبھی اکتفا نہ کرے۔ وراثت نبوی ﷺ میں سے جتنا زیادہ سے زیادہ حاصل کرسکتا ہو کرلے۔ کم پر قانع نہ ہو اور کسی علم کے حصول کا وقت ہو اس کو کل پر نہ ٹال دے۔ اس لئے کہ اس کو یاد کرے گا کل کوئی دوسرا حصہ یاد کرے گا، ٹالنا بڑی آفت ہے۔ فراغت، نشاط، عافیت، شباب کے اوقات کو غنیمت جانے دل جمعی کم مصروفیات اور صحت کے ایام کو نعمت غیر مترقبہ سمجھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿تفقّھوا قبل ان تسودوا﴾

''سردار بننے سے پہلے علم حاصل کرو۔''

(اخرجہ الخطیب فی الفقہ والتفقہ ص۷۷۲، دارمی ۷۹/۱)

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں، ذمہ دار بننے سے قبل تفقہ حاصل کرو جب ذمہ داری گردن پر آئے گی تو علم حاصل کرنا دشوار ہوگا۔''

خود کو باکمال سمجھنے اور مشائخ سے مستغنی سمجھنے سے ہر وقت بچتا رہے۔ کیوں کہ خود کو باکمال اور اساتذہ سے مستغنی سمجھنا عین جہالت اور ناسمجھی ہے۔ اس سے علوم ضائع ہوں گے۔ سابق میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا یہ قول گزرا ہے:

لا یزال الرجل عالمًا ما تعلّم، فاذا ترک التعلّم و ظنّ انه قد استغنی فهو اجهل ما یکون

''انسان جب تک علم حاصل کرتا رہے گا اس کا علم برقرار رہے گا۔ جب تعلم کو چھوڑ دے گا اور خود کو علوم سے مستغنی سمجھے گا۔ تو وہ سب سے بڑا جاہل ہوگا۔ (فقہ والتفقہ: ۱۰۵۷)

اگر علمی استعداد کامل ہو فن کی کتابیں نظر سے گزریں اور ان کے علوم میں بحث

ومباحثہ اور بار بار مراجعت سے پختگی ہوگئی تو تصنیف کی طرف بھی توجہ مبذول کرنا چاہئے اور علماء کے مذاہب اوران کے دلائل عدل وانصاف کے دامن کو تھام کر بیان کرے۔

(۶) حلقہ درس کو لازم پکڑنا اور ساتھیوں کے ساتھ تکرار کرنا

درسگاہ میں حاضری کو لازم بنائے۔ بلکہ اگر ہو سکے تو استاذ کے تمام اسباق میں شامل ہو۔اس میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔

استاذ کی صحبت کو غنیمت جانے۔طول صحبت سے کبھی سیر نہ ہو۔اس لئے کہ استاذ کی مثال درخت کھجور کی سی ہے۔کسی وقت بھی پھل گرا سکتا ہے۔استاذ کی مسلسل خدمت کرنے کی کوشش کرے۔خدمت میں سب سے سبقت کرے۔اس لئے کہ اس کو شرف بخشنے اور عزت دلانے کا باعث ہے۔درس گاہ میں سبق کے صرف سننے پر اکتفا نہ کرے یہ کم ہمتی، ناکامی اور ہوشیار نہ ہونے کی علامت ہے۔بلکہ اگر ہو سکے تمام اسباق کو قید کتابت میں لائے۔ یہ کام وہ آدمی کر سکتا ہے جو علوم کا مشتاق حصول علم کا حریص ہو۔اگر سارے اسباق کو ضبط کرنے کی ہمت نہ ہو تو کم از کم اہم اہم باتوں کو ضرور لکھ لے۔سبق کے بعد استاذ کے درس میں پابندی سے حاضر ہونے والے ساتھیوں کے ساتھ سبق کا تکرار کرے۔اور باہم مباحث وقواعد کا اعادہ کرے استاذ کے سبق دہرائے۔اور استاذ کا کلام ایک دوسرے کو سنائے۔اس لئے کہ اس طرح تکرار میں نفع عظیم ہے۔

اور تکرار کا یہ عمل مجلس درس سے اٹھنے سے پہلے بہتر ہے۔اس لئے کہ تمام ساتھیوں کا ذہن متوشش نہیں ہے۔سبق کے متعلق تمام باتیں ان کے اذہان میں موجود ہیں لہٰذا مجلس درس برخاست ہونے سے پہلے مذاکرہ ہو۔پھر بعد میں بھی اس کو دہرایا جائے۔

خطیبؒ فرماتے ہیں، تکرار کا بہترین وقت عشاء کے بعد ہے۔بعض اسلاف عشاء کے بعد تکرار کی مجلس قائم کرتے اور تکرار کے لئے بیٹھ جاتے اور فجر کی اذان تک

تکرار و مذاکرے میں مصروف رہتے ہیں۔

تکرار کے لئے اگر ساتھی نہ ملے تو خود اپنے نفس کو سنائے۔ جو کچھ استاذ سے سنا ہے اس کے معانی اور الفاظ کو سوچے غور کرے، اور دل میں بٹھانے کی کوشش کرے، تاکہ وہ دل میں اپنے لئے جگہ بنالے۔ اس لئے کہ معانی کو دل میں بار بار دھرانا الفاظ کو زبان میں دہرانے کی طرح ہی ہے۔ صرف استاذ سے سن کر بغیر تکرار کے اسی پر اکتفا کرنے والا کم ہی کامیاب ہوتا ہے۔

(۷) درسگاہ میں آنے اور بیٹھنے کے آداب

درس گاہ حاضر ہو کر اہل مجلس پر سلام کرے اور استاذ کو خصوصیت کے ساتھ سلام عرض کرے۔ اسی طرح واپسی کے وقت بھی سلام کرے۔

بعض حضرات نے حلقہ درس کو ان مقامات میں شمار کیا ہے جہاں سلام کرنا درست نہیں ہے۔ مگر عرف وعمل اس کے مطابق نہیں ہے۔

درس گاہ میں آکر سلام کرنے کے بعد لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کر آگے جانے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

ہاں اگر استاذ صراحت سے اس کو اپنے قریب آنے کا حکم دے یا حاضرین مجلس اس کے آگے جانے پر راضی ہوں، یا اس کے مرتبے یا کسی اور وجہ سے آگے جانے کو کہیں تو آگے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قصداً کسی کو اپنی جگہ سے اٹھا کر وہاں نہ بیٹھے، نہ کسی کو بلاوجہ تکلیف دے۔ اگر کوئی ایثار کر کے اس کو اپنی جگہ پیش کرے تو قبول نہ کرے، ہاں اگر قبول کرنے میں مصلحت ہو، یا حاضرین مجلس کو اس میں فائدہ ہو، یا استاذ کے ساتھ بحث وتمحیث سے دوسروں کو علمی فائدہ پہنچ رہا ہو تو قبول کرنا اور اس کی جگہ پر بیٹھنا ہی بہتر ہے۔ کسی کو یہ

مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کو اپنے پر ترجیح دے۔ بلکہ استاذ کے قریب بیٹھنے کا ہر ایک خواہشمند اور شوقین، حریص ہو، استاذ اگر صدر مجلس میں تشریف فرما ہو تو صاحب فضل شخص استاذ کے دائیں جانب بیٹھے، یا استاذ کے روبرو بیٹھے۔ عام درس گاہوں میں ممتاز طلبہ استاذ کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ تمام شرکاء درس کو چاہیئے کہ ایسی جگہ بیٹھیں کہ استاذ کی توجہ سب کی طرف بیک ممکن ہو۔ جس میں بعض کی تخصیص نہ ہو۔

(۸) استاذ کی مجلس کے حاضرین کے ساتھ آداب

استاذ کی مجلس میں تمام حاضر لوگوں کے ساتھ ادب و احترام کے ساتھ پیش آئے اس لئے کہ یہ بھی استاذ ہی کا ادب و احترام ہے۔ اور وہ اس کے رفقاء ہیں اور اپنے رفقاء کی توقیر کرنی چاہیئے۔ اپنے سے بڑوں اور ہم عمروں کا اکرام کرے۔

حلقہء درس میں نہ بیٹھے، نہ کسی ساتھی کے آگے بیٹھے۔ ہاں مجبوری ہو تو جدا ہے۔ دو ساتھیوں کے بیچ میں ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ حاضرین پر بھی لازم ہے کہ باہر سے آنے والے کو مرحبا کہیں، ان کو حلقہ میں جگہ دیں، اور اس کی جگہ بنالیں، ساتھی اگر جگہ دیں اور مجلس میں گنجائش کم ہو تو آنے والے کو چاہیئے کہ وہ سمٹ کر بیٹھ جائے۔ کشادہ ہو کر نہ بیٹھے، کہ نہ کسی کو پہلو مارے نہ کہنی لگائے۔ نہ ساتھ بیٹھے ہوئے ساتھی کو کسی قسم کی تکلیف دے، اور نہ ہی درسگاہ کے آداب کے خلاف کوئی حرکت کرے۔

دوران سبق بات چیت یا غیر متعلق سوال نہ کرے ہاں شیخ سوال کرنے یا گفتگو کرنے کی اجازت دے تو بات کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ہم درسوں میں سے کوئی کسی کے ساتھ بے ادبی یا بدتمیزی کرے تو استاذ کے علاوہ کسی کو اسے ڈانٹنے کا حق نہیں ہے۔ ہاں اشارہ کے ساتھ یا خیر خواہی کے انداز میں خفیہ طور پر متنبہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

ہاں اگر کوئی استاذ کے ساتھ بے ادبی کا ارتکاب کرے تو تمام طلبہ پر لازمی ہے

کہ اس کو تنبیہ کریں اور جھڑک دیں اور حتی الامکان استاذ کی مدد کریں۔ اگر کوئی استاذ سے کلام کررہا ہو تو دوسرا کوئی اس میں شریک نہ ہو۔

بعض حکماء کا کہنا ہے: یہ بھی ادب کا حصہ ہے کہ کسی کے کلام میں شارک نہ ہو اگرچہ کلام کرنے والے سے زیادہ باخبر کیوں نہ ہو، خطیب نے اس مقام پر یہ شعر بھی لکھا ہے،

ولا تشارک فی الحدیث اھله   و ان عرفت فرعه و اصله

کسی کی بات چیت میں مت شریک ہو اگرچہ تو اس کے اصول و فروع سے باخبر ہی کیوں نہ ہوں۔

(۹) اشکال پیش آنے پر سوال کرنے سے نہ شرمائے

کسی مسئلے پر اشکال پیش آجائے تو استاذ سے پوچھنے سے نہ شرمائے، بلکہ ادب کے ساتھ سوال کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من رق وجهه رق علمه" ترجمہ:

کسی کا قول ہے جو استاذ سے پوچھتے وقت شرمائے تو لوگوں کے سامنے اس کا عیب ظاہر ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

﴿رحم اللّٰه نساء الانصار، لم یکن الحیا و یمنعهن ان یتفقهن فی الدین﴾

"اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں پر رحم فرمائے کہ دین کی سمجھ حاصل کرنے میں حیا ان کو نہیں روکتی۔"

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: کہ اللہ تعالیٰ حق

سے نہیں شرماتا، اگر عورت کو احتلام ہو جائے کیا اس پر غسل واجب ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں جب وہ پانی (یعنی منی) دیکھے۔ (بخاری ۱۳۰، مسلم ۳۱۴)

کسی شاعر کا شعر ہے:

و لیس العمی طول السؤال و انما　　تمام العمی طول السکوت

ترجمہ: زیادہ پوچھنے والا اندھا نہیں ہوتا، اندھا تو وہ شخص ہے جو لمبا خاموش رہتا ہے۔

سبق کے مقام سے ہٹ کر کوئی سوال نہ کرے ہاں استاذ کی طرف سے اس کی اجازت ہو تو جائز ہے استاذ کے سوال کا جواب نہ دے، خاموشی اختیار کرے۔ جواب دینے پر اصرار نہ کرے۔ جواب میں اگر استاذ سے خطا ہو جائے تو فوراً اس کی تردید نہ کرے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، صاف بتانے اور یہ کہنے سے بھی نہ شرمانا چاہئے کہ سبق نہیں سمجھ سکا ہوں۔ اس لئے کہ اس سے بہت ساری مصلحتیں اس کی فوت ہو جائیں گی۔ فی الحال یاد نہیں کر پائے گا۔ اس سے اس کے ورع وتقوی پر اثر پڑے گا اور عادت بھی خراب ہوگی۔

خلیلؒ فرماتے ہیں: جہالت حیا اور تکبر کے درمیان ہے۔

اس سے پہلے باب ادب عالم میں بتایا جا چکا ہے کہ شرمانے والے سے استاذ نہیں پوچھتا بلکہ صرف سبق پڑھانے پر اکتفا کرتا ہے۔ اس طور پر شرمانے والا محروم رہتا ہے۔

(۱۰) اپنی باری کی رعایت ساتھی کی اجازت کے بغیر عبارت نہ پڑھنا

اپنی باری کا خیال رکھے۔ کسی ساتھی کی باری میں اس کی اجازت کے بغیر آگے نہ بڑھے۔ روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی آپ ﷺ کے پاس آکر سوال پوچھ رہے تھے کہ بنو ثقیف کا ایک شخص آیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا، اے اخو ثقیف انصاری بھائی نے آپ سے پہلے مسئلہ دریافت کیا ہے۔ آپ بیٹھ جائیے ان سے فارغ ہو کر آپ کی

ضرورت پوری کروں گا۔ (عبدالرزاق ص۸۸۳۰، الطبرانی: ۱۳۵۶۶)

خطیبؒ نے کہا ہے، پہلے آنے والے کے لئے یہ مستحب ہے کہ اجنبی اور دور سے آنے والے کو موقع دے۔

اس سلسلے میں دو حدیثیں بھی مروی ہیں: ایک عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور دوسری عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے۔

اس طرح بعد میں آنے والا جلدی میں اس کو کوئی ضروری کام درپیش ہو یا استاذ اس کی طرف اشارہ کردے تو اپنی باری کی قربانی دینا مستحب ہے۔ اس طرح کوئی وجہ نہ ہو تو اپنی باری دوسرے کو دینا لوگوں نے ناپسند سمجھا ہے۔ اس لئے کہ قرأت علم عبادت ہے اور عبادت میں دوسرے کو ترجیح دینا مکروہ ہے۔ سبق میں سب سے پہلے حاضر ہونے والے کی نوبت و باری بھی پہلے آتی ہے۔

ہاں کسی مجبوری اور شرعی عذر کی بنا پر تاخیر ہو جائے تو عبارت پڑھنے کی باری ختم نہیں ہوگی۔ اگر عبارت میں اختلاف ہو جائے تو قرعہ اندازی سے فیصلہ ہونا چاہئے یا استاذ کے حکم سے تعیین ہو۔

(۱۱) استاذ کی مصروفیت کے وقت پڑھانے کی درخواست نہ کرنا

استاذ کے سامنے انتہائی ادب و احترام کے ساتھ بیٹھنا چاہیے۔ کتاب ساتھ ہونی چاہئے پڑھتے وقت کتاب کھول کر نیچے نہیں رکھنا چاہئے، بلکہ اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر پڑھے۔ اور عبارت کی ابتداء استاذ محترم کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔

خطیب نے اسلاف کی ایک جماعت سے نقل فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں، جب تک استاذ کی طرف سے پڑھنے کی اجازت نہ ملے نہیں پڑھنا چاہئے۔ استاذ کی مصروفیت یا بوریت یا غم وحزن کے وقت، یا غصہ، بھوک پیاس، اور آرام کے وقت ان سے پڑھانے کی درخواست کر کے زحمت نہیں دینا چاہئے۔

استاذ سبق کم پڑھوانا چاہے تو کم ہی پر اکتفاء کرنا چاہئے، استاذ کو کہنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اگر استاذ صراحۃً کہدے تب پڑھنا موقوف کرنا چاہئے اگر مقدار مقرر ہو، تو مقررہ مقدار سے زیادہ عبارت نہ پڑھے، ہاں کسی طالب علم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ عبارت پڑھنے والے کو کہے کہ بس کرو۔

ہاں شیخ حکم دے یا شیخ کے حکم سے کہدے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۱۲) سبق کے شروع میں استاذ کیلئے اور صاحب کتاب کیلئے دعا کرنا

جب عبارت پڑھنے کی باری آجائے تو استاذ کے حکم سے عبارت شروع کرے۔ شروع سے قبل اعوذ باللہ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، تحمید اور درود شریف پڑھے۔

پھر اپنے استاذ کے لئے دعا کرے، اور استاذ کے والدین اپنے والدین اور ان کے مشائخ کے لئے اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے۔ یہ عمل ہر سبق کے شروع میں تکرار و مطالعہ سے قبل استاذ کی موجودگی میں یا غیر موجودگی میں کرنا چاہئے۔ کتاب پڑھتے وقت مصنف کے لئے دعا کرتے رہنا چاہئے، اس لئے سبق کے اختتام پر بھی استاذ محترم کے لئے دعاء عافیت کرنا چاہئے۔ استاذ کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے شاگردوں کی کامیابی کے لئے دعا کرتا رہے۔

اگر طالب علم اعوذ باللہ اور بسم اللہ، تحمید اور درود شریف پڑھنا بھول جائے تو استاذ پر لازم ہے کہ وہ اسے تنبیہ کرے اور اس سے عمل کرا کے دکھائے اور یاددہانی کراتا رہے۔

اس لئے کہ یہ اہم ترین ادب ہے۔ حدیث شریف میں اہم امور کی ابتداء کے وقت بسم اللہ اور الحمد للہ کہنے کا حکم آیا ہے۔ اور علم سے بڑھ کر کونسا عمل اہم ہو سکتا ہے؟۔

(۱۳) اپنے استاذ سے پڑھنے کی ترغیب دینا اور ساتھیوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا

دوسرے طلبہ کو تحصیل علم کی ترغیب دیتا رہے، ان کو طریقہ بتلاتا رہے، اور ان کی مدد بھی کرتا رہے۔ ان کے ساتھ تکرار و مذاکرہ کرتا رہے اور ان کے ساتھ خیر خواہانہ رویہ برتے۔ اس سے اس کا دل منور ہوگا۔ عمل پاکیزہ ہوگا، بخل کرنے والے کا علم مضبوط نہیں ہوگا اگر پختہ ہو جائے تو نفع بخش نہیں ہوگا یہ انتہائی مجرب ہے۔ علم پر اترائے نہ، ساتھیوں پر فخر نہ کرے بلکہ اللہ کی تحمید کرے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے۔

چوتھا باب

کتابوں کے ادب اور ہر آلہ علم کیساتھ ادب سے پیش آئے
کتاب خریدنے یا عاریت کے طور پر حاصل کرنے کے بیان میں

﴿کتابوں کے آداب﴾

اس باب کے تحت گیارہ قسمیں ہیں۔

(۱) ضرورت کی کتاب کو خریدنا

طالب علم کے لئے اگر گنجائش ہو سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ ضرورت کی کتاب کو خریدے ورنہ کرایہ پر حاصل کرے یا عاریۃً کسی سے مانگ لے۔ اس لئے کہ کتاب آلہ تحصیل ہے۔ ہاں یہ خیال رہے کہ کثرت کتب اور جمع کتب پر ہی اکتفاء نہ کرے، جیسا کہ اکثر فقہاء اور محدث ہونے کے دعویدار کیا کرتے ہیں بلکہ کتابوں کو یاد کرے اور بار بار پڑھتا رہے۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اذا لم تکن حافظا و اعیا   فَجَمعک للکتب لا ینفع

''اگر کتابوں کو محفوظ کرنے والا نہ ہو تو محض کتابوں کو جمع کرنے سے تجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''

اگر کتاب خریدنے کی طاقت ہو تو نقل کرنے میں مشغول نہ ہو۔

نقل کتب میں مشغول ہونا نہیں چاہئے ہاں اگر کتاب خریدنے کی گنجائش نہ ہو تو علیحدہ بات ہے۔ نقل کتاب میں یہ خیال رہے، خط کی تحسین کے بجائے تصحیح پر زیادہ توجہ دینا چاہئے۔

کتاب خریدنے کی گنجائش ہوتے ہوئے یا کرایہ پر لینے کی صلاحیت ہوتے ہوئے کسی سے مانگ کر کتاب لینا اچھا نہیں ہے۔

(۲) ضرورت کے وقت عاریت لی ہوئی کتاب کے آداب

ضرورت کے وقت بطور عاریت کسی سے کتاب لینا بشرطیکہ جانبین کو نقصان نہ ہو رہا ہو تو اچھا ہے۔ بعض علماء نے اس کو مکروہ بھی قرار دیا ہے، لیکن پہلا قول درست ہے۔ اس لئے کہ اس میں اعانت علی العلم بھی ہے، اور کسی کو ضرورت کے وقت عاریۃً کوئی چیز دینا افضل بھی ہے۔

ایک شخص نے ابوعتابہؒ سے کہا، آپ اپنی کتاب بطور عاریت مجھے دیجئے۔

انہوں نے کہا! میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔

تو اس شخص نے کہا! تجھے پتہ نہیں، اپنی پسند کے خلاف کرنے سے ہی شرف حاصل ہوتا ہے؟

تو ابوعتابہ نے یہ جواب سن کر کتاب دے دی۔

حضرت امام شافعیؒ نے حضرت امام محمد بن حسنؒ کو لکھا:

یا ذالذی لم ترعین من رأہ مثله ، ألعلم یابی اهله ان یمنعوہ اهله

مستعیر کے لئے لازم ہے وہ معیر (کرائے پر دینے والا) کا شکریہ ادا کرے اور بہترین بدلہ دینے کی کوشش کرے، بلا ضرورت کتاب اپنے پاس زیادہ دیر نہ رکھے، بلکہ جب بھی ضرورت پوری ہو جائے فوراً واپس کر دے اور مالک جب بھی کتاب طلب کرے تو فوراً واپس کر دے اور صاحب کتاب کی اجازت کے بغیر اس میں اصلاح بھی نہ کرے۔ نہ ہی اس پر کوئی حاشیہ چڑھائے، اور نہ ہی کتاب کے شروع آخری خالی صفحات پر کچھ لکھ دے۔ ہاں صاحب کتاب کی طرف سے اجازت ہو تو جائز ہے، بلا اجازت مالک کسی اور کو بطور عاریت نہ دے نہ کسی کے پاس امانت رکھے۔

اگر صاحب کتاب کی طرف سے اس سے کچھ موادنقل کرنے کی اجازت نہ ہوتو نقل کرنا امانت میں خیانت ہے۔ ہاں اگر کتاب ہر خاص و عام کے لئے وقف ہوتو نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

کتاب کے بیچ میں کوئی ورق یا کوئی چیز یا سیاہی وغیرہ جیسی چیز نہ رکھے۔

کسی شاعر نے کہا ہے:

ایها المستعیر منی کتابا ارض لی فی ما لنفسک ترضی

اے مجھ سے کتاب عاریت پر لینے والے اس کے ساتھ وہی معاملہ

کر جو تو اپنی ذات کے ساتھ کرتا ہے

کتاب مستعار لینے اور کتاب کسی کو نہ دینے پر بے شمار اشعار ہیں اس مختصر رسالے میں ان کو ذکر کرنا ممکن نہیں۔

(۳) کتاب سے نقل کرنے اور اس پر کچھ لکھنے کے متعلق

کتاب سے کچھ لکھتے وقت یا مطالعے کے وقت کتاب کھول کر زمین پر نہیں رکھنا چاہئے۔ بلکہ دو کتابوں یا دو چیزوں کے درمیان میں ایسے رکھنی چاہئے کہ اس کی جلد خراب نہ ہو۔ اگر نیچے رکھنا ہوتو اس کے نیچے کوئی تختہ یا اور کوئی چیز ہونی چاہئے۔ خالی زمین پر نہیں رکھنا چاہئے۔ عام حفاظت کے لئے ایسی جگہ رکھنا چاہئے کہ جس سے کتاب خراب ہونے یا کیڑے لگنے کا خطر نہ ہو۔ خالی دیوار کے ساتھ بلا خلا بھی نہ رکھی جائے۔ کتاب رکھنے میں بھی ادب و احترام ملحوظ نظر رہے۔ علوم کے شرف و فضیلت کے اعتبار سے اوپر نیچے رکھے۔ سب سے زیادہ قابل احترام کتاب سب سے اوپر ہونی چاہئے، پھر اپنے اپنے درجے کے اعتبار سے مرتب رکھے۔ چنانچہ قرآن کریم تمام کتابوں کے اوپر ہونا چاہئے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ ایک بہترین غلاف میں رکھ کر سب سے اوپر ہو۔ پھر حدیث کی کتابیں، مثلاً بخاری، مسلم، پھر تفسیر کی کتابیں، پھر تفسیر حدیث، پھر اصول الدین

کی کتابیں، پھر فقہ کی کتابیں پھر نحو وصرف پھر ادب پھر عروض کی کتب۔

اگر ایک فن میں دو کتابیں ہوں، تو جس میں قرآن کی آیات زیادہ ہوں وہ اوپر رکھی جائے گی۔ اگر اس میں بھی برابر ہوں تو مصنف کی جلالت شان کے اعتبار سے رکھے جائیں گے۔ اگر اس میں بھی برابر ہوں تو تصنیف کے اعتبار سے جو مقدم ہوگی وہ مقدم ہوگی۔ بہتر ہے ہر کتاب کی پشت پر اس کا نام لکھ دے۔ تاکہ کتاب نکالتے وقت آسانی ہو۔ اور اگر کسی تختے پر کتاب رکھی ہو تو ادب یہ ہے کہ شروع کا حصہ اوپر ہو۔ اور یہ بھی ملحوظ خاطر رہے۔ حجم کے لحاظ سے چھوٹی کتاب پر بڑی کتابیں نہ رکھی جائیں اس سے جلدیں خراب ہوتی ہیں۔ کتاب اوراق کی الماری نہ بنائے کہ کوئی بھی ورق ہو کتاب کے اندر رکھ دے۔ یا اس پر ٹیک لگائے۔ نہ اس سے مکھی مچھر مارنے کا آلہ بنا دے۔ کتاب کے ورق کو نشانی کے طور پر نہ موڑے نہ ہی کوئی لکڑی وغیرہ درمیان میں رکھے۔ اگر ضروری نشانی رکھنی ہو تو کاغذ کا کوئی چھوٹا ٹکڑا رکھ دے۔ کام پورا ہونے پر اٹھا دے۔ اور رقم یا اور کوئی چیز رکھنے کے لئے بطور بکس استعمال نہ ہونے پائے۔

(۴) عاریت لینے اور دیتے وقت کتاب کو چیک کرنا

کسی سے کتاب مستعار لے تو پہلے اس کو خوب دیکھ لے۔ اور چیک کر لے۔ اسی طرح واپس کرتے وقت بھی اس پر نظر ڈالے۔ کتاب خریدتے وقت بھی اس کے شروع اور درمیان اور آخر کے حصے سے دیکھ کر تسلی کر کے خریدے۔ اس کے اوراق گردانی کر کے تسلی کرے۔ اگر وقت نہ ہو تو سرسری نظر سے شروع درمیان اور آخری حصہ کو دیکھے۔ حضرت امام شافعیؒ کا قول ہے۔ اذا ریت الکتاب فیه الحاق و اصلاح فاشهد له بالصحة.

کسی بزرگ کا قول ہے: "لا یضیء الکتاب حتی یظلم"

(۵) لکھنے کے آداب کے متعلق

علوم شرعیہ میں سے کچھ لکھنا ہوتو بہتر ہے کہ باوضو ہو۔ قبلہ رخ ہو، صاف پاکیزہ بدن و پاکیزہ لباس کے ساتھ ہو، ہر لکھائی اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کی تحمید سے، اس کے ساتھ بعد سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی پر درود ہو۔ اس طرح کتاب کے اختتام پر یا ہر حصے کی تکمیل پر الحمدللہ لکھا جائے۔

جس کتاب کو نقل کر رہا ہو اس کے اختتام پر کتاب کا نام لکھ کر تــم الـکـتـاب الـفـلانـی لکھ دے۔ اس کے کئی فائدے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی لکھنے کے بعد تعظیمی الفاظ بھی لکھنا چاہئے مثلاً اللہ جل جلالہ، یا تعالیٰ، یا سبحانہ یا عزاسمہ وغیرہ

اور نبی کریم ﷺ کے نام گرامی کے ساتھ درود شریف لکھے بھی اور زبان سے پڑھے بھی۔

حضرات اسلاف کرام کا طریقہ رہا ہے کہ آپ ﷺ کے نام گرامی کے ساتھ ﷺ لکھتے۔ شاید اس کی وجہ سے آیت کریمہ "صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" ہے۔
(الاحزاب:۵٦)

اس میں بحث کی گنجائش ہے مگر یہاں طوالت کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

درود شریف لکھتے وقت مخفف الفاظ سے نہیں لکھنا چاہئے، اگرچہ ایک ہی سطر میں کئی بار آجائے، جیسا کہ بعض غیر محتاط مصنفین کا طریقہ یہ ہے کہ وہ درود کی جگہ صلعم، یا صلم، صلعم وغیرہ لکھتے ہیں، یہ آپ ﷺ کی شانِ گرامی کے شایانِ شان نہیں بلکہ درود شریف کے پورے الفاظ لکھ دیا جائیں۔

اس سلسلے میں کثیر روایات ہیں اور اختصار کے ترک پر بھی روایات موجود ہیں۔

کسی صحابی کا نامِ نامی آجائے تو رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھ دے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام غیر نبی

کے لئے لکھنا بہتر نہیں ہے۔ ہاں البتہ نبی کے تابع میں لکھ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

اور کسی بزرگ کا نام آجائے تو رحمہ اللہ یا رحمۃ اللہ علیہ لکھ دے۔ خصوصاً ائمہ کرام کے اسماء گرامی کے ساتھ۔

(۶) باریک لکھائی سے اجتناب اور مناسب قلم اختیار کرنا

لکھنے میں باریک لکھنے سے اجتناب کرے۔ اس لئے کہ خط علامت ہے اس کو خوب واضح کر کے لکھنا چاہئے۔ بعض بزرگ باریک خط دیکھ کر فرماتے: **ھذا خط من لا یوقن بالخلف من اللّٰہ تعالٰی**"

کسی بزرگ کا فرمان ہے۔ ایسے لکھو جو ضرورت کے وقت تجھے کام دے اور ایسا نہ لکھو جو حاجت کے وقت کوئی کام نہ آئے۔ ضرورت کے وقت سے مراد بڑھاپا ہے جس میں آنکھیں کمزور ہو جاتی ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں قلم اتنا سخت نہ ہو جو سرعت روانگی سے مانع ہو اور نہ اتنا نرم ہو کہ سیاہی جلدی خشک ہو جائے۔

(۷) نقلِ کتاب کے بعد اصل کے ساتھ ملانے اور نقطوں کو درست کرنے کے آداب

اصل کے ساتھ تقابل کر کے یا استاذ کو سنا کر مشکل مقامات پر اعراب لگائے اور نقطوں کو درست کرے۔ تصحیح شدہ مقامات کو دوبارہ دیکھے۔

متن کی بعض عبارت کو اگر حاشیہ میں ضبط کرنے کی ضرورت ہو کرے اور اس کی تشریح کرے۔ متن کے کسی نام یا ضروری عبارت کی ضرورت ہو تو اس طرح لکھے۔

مثلاً لفظِ "حریذ" ہے اس کی عبارت یوں لکھ دے۔ حاء مہملہ کے راء اس کے بعد یاء۔

عام کتابت میں حروف معجمہ کے ضبط کرنے کے لئے نقطہ لگائے اور حروف مہملہ

میں عدم نقطے کی علامت ہلال کی صورت وغیرہ لکھنے کی عادت رہے۔

تصحیح کے بعد کسی کلمہ کی صحت میں شک کا احتمال ہو تو شک کو دور کرنے کے لئے اس کے اوپر لفظ (ح) چھوٹا کر کے لکھ دے۔ اور اگر وہ اصل کتاب میں غلط ہو تو متن میں ایسا ہی لکھ دے۔ مگر اس کے اوپر چھوٹا سا لفظ ''کذا'' لکھ کر حاشیہ میں اس کی صحیح عبارت لکھ دے۔

اگر کسی کتاب میں کچھ کلمات زیادہ مذکور ہوں تو نقل میں ان کو ترک نہ کرے بلکہ لکھنے کے بعد اس کے اوپر ''لا'' لکھ دے اگر ایک کلمہ ہو، اگر ایک سے زیادہ ہو۔ ایک سطر یا اس سے بھی زیادہ ہوں تو لکھنے کے بعد اوپر باریک خط کھینچے، یا چھوٹے چھوٹے نقطے آخر تک لکھ دے یا شروع میں ''من'' آخر میں ''الی'' لکھ دے۔ مطلب یہ ہے من سے لے کر الی تک زائد ہے۔ اگر خود کاتب سے کوئی لفظ غلطی سے مکرر لکھا جائے تو اس کے اوپر نشان لگا دے۔ بلکہ دوسرے کلمہ پر زائد کا نشان لکھ دے۔

(۸) تخریج یا اضافہ کرنے کے آداب

حاشیہ میں کچھ تخریج کا ارادہ ہو تو جس عبارت پر حاشیہ چڑھانا ہو اس کے اوپر نمبر یا نشان ڈال کر حاشیے میں وہی نمبر یا نشان لگا کر تخریج کرے۔ دائیں طرف حاشیہ لکھنا بہتر ہے۔ اور پہلا حاشیہ سب سے اوپر لکھنا شروع کرے تاکہ بعد کی عبارت کے لئے جگہ رہ جائے۔ اگر اس کی ضرورت ہو۔ حاشیہ کی عبارت کو متن کے ساتھ نہ ملائے۔ حاشیہ کے آخر میں ''صح'' کا لفظ لکھ دے۔ بعض مصنفین کی عادت ہے۔ متن کی عبارت کا ابتدائی لفظ جس پر حاشیہ لکھنا ہو لکھتے ہیں۔

(۹) کسی کتاب پر زائد حواشی چڑھانے کے آداب

اپنی ذاتی کتاب کے حاشیہ پر نوٹس لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ کتاب کے اصل حاشیے سے گڈمڈ نہ ہونے پائے۔ آخر میں ''صح'' وغیرہ نہ لکھے، بعض لوگ لفظ حاشیہ

لکھ کر اور بعض ''فائدہ'' لکھ کر حاشیہ لکھتے ہیں۔

انتہائی ضروری یادداشت ہو تو لکھ دے وہ بھی اگر کتاب کی عبارت کے متعلق ہو۔ مثلاً عبارت پر اشکال کی طرف اشارہ ہو یا کوئی رمز ہو۔ عام باتیں نہ لکھے اور اتنا زیادہ حواشی بھی نہ چڑھائے جس سے کتاب مدھم ہو جائے۔ بین السطور لکھنا مناسب نہیں ہے۔ بعض حضرات سرخ روشنائی سے بین السطور لکھتے ہیں مگر نہ لکھنا ہی بہتر ہے۔

(۱۰) کتاب کے ابواب، فصلوں کو عام خط سے ممتاز کرنا

ابواب، فصلوں اور دیگر عنوانات کو سرخ روشنائی سے ممتاز کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس طرح ناموں یا مذاہب اور خاص اقوال کو عام خط سے ممتاز کرنا بھی بہتر ہے۔ جب ایسا کرے تو کتاب کے شروع میں ان رموز کی طرف نشاندہی کرے تاکہ اس کو گہرائی سے مطالعہ کرنے والے کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے اگر سرخ سیاہی سے امتیاز نہ ہو تو فاؤنڈ کو موٹا کر کے بھی امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ دو کلاموں کے درمیان دائرہ یا قومہ سے جدا کرنا بہتر ہے۔ ایک ہی طرز پر تمام کلام کو ملا کر لکھنا اچھا نہیں ہے۔ اس سے پڑھنے والے کے لئے دشواری ہوتی ہے جس سے وقت ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اس انداز سے لکھنا انتہائی غبی شخص کا ہی کام ہے۔

(۱۱) مٹانے کے آداب

علماء نے کہا ہے کھرچ کر مٹانے سے سیاہی سے مٹانا بہتر ہے۔ خصوصاً کتب حدیث میں کھرچ کر مٹانے میں تہمت اور جہالت کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ اور ورق کے خراب ہونے کا بھی خطرہ ہے۔

اگر نقطہ یا اعراب مٹانا ہو تو کھرچ کر مٹانا بہتر ہے۔ استاذ سے یا اصل کتاب سے تقابل کر کے تصحیح کرنے کے بعد اس مقام پر علامت کے طور پر ''ابلغ'' یا ''بلغت'' یا بلغ العرض یا اور کوئی لفظ لکھ دے۔

پانچواں باب

مدرسہ کے ہوسٹل میں رہنے اور مدارس کے انتخاب کے بیان میں

اس باب کے تحت گیارہ عنوانات ہیں۔

(۱) مدرسہ کا انتخاب

پڑھنے کے لئے حتی الامکان ایسے مدرسے کا انتخاب کرے جس کے بانی متقی و پرہیزگار اور بدعات سے دور ہوں۔ اور یہ یقین کرے یا کم از کم غالب گمان ہو کہ مدرسہ کی زمین اور اس میں استعمال کی ہوئی چیزیں اور اخراجات حلال مال سے ہوں۔ اس لئے کہ جس طرح کھانے پینے میں احتیاط ضروری ہے اس طرح رہنے کے مکان اور رہائش کا بھی حلال ہونا ضروری ہے۔

اگر ممکن ہو تو ایسے اداروں میں پڑھنے سے احتیاط کرنا چاہئے جو حکومتی یا بادشاہوں کے وقف کردہ اور بنائے ہوئے ہوں۔ اس لئے کہ ایسے ادارے جس کے بنانے والے حکومتی عہدے دار ہوں خرابی سے خالی نہیں ہوتے۔

(۲) ایسے مدارس کو منتخب کرنا جس کے اساتذہ صاحب فضل وتقوی ہوں

دوسرے نمبر پر ایسے مدرسے کا انتخاب کرے جس کے اساتذہ صاحب ریاست عقلمند، ہیبت وعظمت، تقوی، للھیت، کی دولت سے بہرہ مند ہو۔ پڑھنے والوں کے ساتھ محبت اور کمزوروں پر رحم کرنے والا ہو۔ شوقین طلبہ کو قریب کرے اور غیر شوقین کو

شوق دلائے۔ طلبہ کو فائدہ پہنچانے کا حریص ہو غیر حاضری کا عادی نہ ہو۔ یہ سارے آداب باب ادب العالم کے تحت گزر چکے ہیں اور مدرسے کا ذمہ دار فضلاءِ صالحین اور صالحین فضلاء میں سے ہو۔

طلبہ کے حرکات پر صبر کرنے والا، ان کو فائدہ پہنچانے والا اور خیر خواہ ہو اور ان کی ضروریات اور اسباق کا نگہبان ہو۔

مدرسہ کے اندر رہنے والے استاذ کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ بلاضرورت گھر سے باہر آیا جایا نہ کرے۔ کیوں کہ اس سے طلبہ کی نظروں میں اس کی وقعت کم ہوتی ہے۔ استاذ کو چاہئے نماز با جماعت کا پابند ہو۔ جس کی پیروی میں طلبہ بھی پابندی جماعت کے عادی بن جائیں۔

اور مسندِ درس پر وقت مقررہ پر بیٹھ جائے تا کہ طلبہ ان سے اپنے اشکالات اور ضروری سوالات پوچھیں۔

مدرسہ کے ذمے دار اور مہتمم کو چاہئے تعلیمی اوقات میں طلبہ کے امور اور ضروریات کو دوسرے آنے والے لوگوں پر مقدم رکھے۔ کیوں کہ ان کے امور اور ضروریات کو حل کرنا فرض ہے جب کہ دوسرے لوگوں کے کام اداء کرنا نفل اور تبرع ہے۔ اور مدرسہ کے مہتمم کے لئے یہ مناسب ہے کہ مہینہ میں ایک مرتبہ طلبہ کو بحث ومباحثہ اور مناظرہ وغیرہ کا موقع دے۔ ایسا نہ کرنے سے طلبہ کے ذہنوں میں جمود پیدا ہوتا ہے جس سے فکری کمزوری پیدا ہوگی۔ جس سے تحصیل علوم اور تفقہ میں کمی پیدا ہوگی۔ کیوں کہ فکری ارتقاء ہی علم کے حصول اور تفقہ کا ذریعہ ہے۔

اس سلسلے مبتدی طلبہ اور منتھی دونوں قسموں سے ان کی استعداد کے مطابق کام لیا جائے۔

(۳) مدرسہ کی شرائط سے واقفیت

بہتر یہ ہے کہ جتنی گنجائش ہو مدرسہ کے اشیاء استعمال کرنے سے بچا جائے۔

خصوصاً جن مدارس کی شرائط میں تنگی ہو اور اس کی ملازمت میں سختی ہو۔ جیسا کہ اکثر علماء اس ابتلاء میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم ومہربانی سے قناعت نصیب فرمادے۔

ہاں نان ونفقہ کے لئے کام کرنے سے علمی کام میں خلل واقع ہو رہا ہے اور کوئی ذریعہ معاش نہ ہو تو مدارس سے استمداد لینے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ مدرسہ کی شرائط اور اوقات کی پابندی کو ملحوظ رکھ کر کام کرے اور اپنا احتساب کرتا رہے اور لوگوں کو نفع پہنچانے کی نیت ہو اور اس سے دل گرنہ ہو بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا رہے۔ اس نے حلال رزق عطا فرمایا ہے اور اس کے لئے حلال رزق کا انتظام فرمایا۔ عقل مند انسان عالی ہمت اور مضبوط نفس والا ہوتا ہے۔

(۴) رہائش کے متعلق مدرسہ کی شرائط پر عمل کرنا

اگر مدرسہ کی انتظامیہ نے مدرسہ کے ملازمین ہی کے لئے رہائش کا انتظام کیا ہے۔ تو دوسروں کے لئے اس میں رہائش رکھنا جائز نہ ہوگا۔ اگر بلا اجازت رہنے لگیں گے تو گناہگار ہوں گے۔

اور اگر رہائش عام کی اجازت ہے تو رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ صحیح طالب علم ہو اور مدرسہ میں رہنے کا اہل ہو۔

مدرسہ کے ہوسٹل میں رہنے والے طلبہ پر لازم ہے کہ وہاں رہنے والے تمام لوگوں کا اکرام کرے، دوسروں کو اپنے پر ترجیح دے۔ ایثار وقربانی سے کام لے۔ سبق میں غیر حاضر نہ ہو اس لئے کہ مدرسہ میں رہنے کا اصل مقصد سبق ہے۔ اور مدرسہ کے وجود کا مقصد تعلیم وتعلم ہی ہے۔ جس میں مدرسہ بنانے والے زمین وقف کرنے والوں کے لئے دعا ہو۔

تعلیم وتعلم سے ان کو ثواب پہنچے۔ مدرسہ میں رہنے والا سبق وتعلم کی طرف توجہ اگر نہ دی تو اس نے مدرسہ کے مقاصد کی خلاف ورزی کی۔ بلاضرورت سبق سے غیر

حاضری محرومی کے علاوہ بے ادبی بھی ہے۔اور علم سے استغناء ہے۔

جب درسگاہ میں یا کمرے میں حاضر ہوتو تمام ساتھیوں کے جمع ہونے کے وقت بلاوجہ بار بار آیا جایا نہ کرے۔کسی کو بآواز بلند اپنی طرف نہ بلائے نہ کسی کو باہر نکالے۔اور بآواز بلند نہ خود پڑھے نہ تکرار کرائے نہ ہی بحث ومباحثہ میں شور مچائے۔ دروازے کو زور سے بند کرنا یا اس طرح کھولنا،بھی ادب کے خلاف ہے اور بے وقوفی ہے۔

میں نے بڑے علماء کو دیکھا کہ وہ وقت سبق مدرسہ کے ناظم کے آمد کو بھی ناپسند فرماتے تھے حالانکہ وہ ضروری کام کے سلسلے میں حاضر ہوا تھا۔

(۵) مدرسہ میں رہتے ہوئے وقت ضائع نہ کرنا

سبق کے علاوہ میل جول نہ رکھے، نہ فضول بیٹھا رہے۔ بلکہ جس مقصد کے لئے مدرسہ کا قیام ہوا اسی میں لگا رہے۔عام طلبہ سے میل ملاپ نہ ہو کیونکہ اس سے وقت کا ضیاع ہوتا ہے۔فضول گوئی کی وجہ سے حالات میں فساد پیدا ہوگا۔

ہوشیار وعقلمند طالب علم مدرسہ کو ایک ایسا پڑاؤ خیال کرے گا کہ اپنی ضرورت کے لئے ٹھہرا ہے اس کو پورا کر کے وہاں سے کوچ کرنے والا ہے۔مستقل قرار گاہ تصور نہیں کرے گا۔لہٰذا اس میں کوئی ایسا ساتھی جو تحصیل علم میں ممد ومعاون ہو،تکمیل فوائد میں مساعد ہو طلب علم میں اضافے کا باعث ہو۔ دیندار وامانتدار ہو،اچھے اخلاق کا حامل ہو اس کے ساتھ،میل جول اور دوستی نہ صرف درست ہے بلکہ بہت اچھی ہے۔

علم وفضل کے حصول میں کمی کو مدرسہ میں رخصت ہوئے ناپسند کرے اور روزانہ خود کو احتساب کے عمل سے گزارنا کہ کل کے مقابلے میں آج کتنا علم حاصل ہوا۔ اگر نہیں ہوا تو کیوں نہیں ہوا۔اور جو کچھ حاصل ہوا کیا وہ پورا حاصل ہوا۔تا کہ مدرسہ کا کھانا اور رہائش اس کے لئے حلال ہو۔مدرسہ کے قیام کا مقصد ہی حصول علم ہے۔مدرسہ

میں رہ کر علمی کام نہیں ہو رہا ہو اور قیام و طعام مدرسہ میں ہو تو یہ اس کے حلال نہیں ہے۔ اس لئے مدرسہ ایک سرائے نہیں ہے جو صرف رہنے اور سونے جاگنے کے لئے بنایا گیا ہو اور نہ صرف عبادت کے لئے بنایا گیا ہے۔ بلکہ قیام مدارس کا مقصد علم دین کی ترویج ہے، وہ جب ہوگا جب اس میں رہنے والے طلبہ حصول علم میں مگن ہوں گے اور اپنے گھر بار، رشتہ داروں اور والدین سے اور عام لوگوں سے بالکل الگ تھلگ ہو کر یکسوئی کے ساتھ حصول علم کریں۔ عقلمند انسان سمجھتا ہے کہ اس کے لئے سب سے زیادہ بابرکت دن وہ ہے جس میں اس کے علم میں سب سے زیادہ اضافہ ہو۔

(۶) مدرسے میں رہنے والوں کے ساتھ برتاؤ کے آداب

مدرسہ میں رہنے والوں کو چاہئے کہ سلام کو عام کریں۔ ایک دوسرے کے ساتھ اظہار مودت والا احترام کریں۔ پڑوسی ہونے کا حق ادا کریں۔ دینی اور علمی بھائی چارے کی رو رعایت کریں۔ اس لئے کہ مدرسہ کے طلبہ و علماء اہل علم اور حامل دین اور طلبہ علم ہیں۔ ان کی کوتاہیوں سے درگزر کریں اور ان کی لغزشات کو معاف کریں۔ ان کے عیوب کو افشاء نہ کریں، ان کے احسان پر شکریہ ادا کریں اور بے ادبی کو خاطر میں نہ لائیں۔

(۷) مدرسہ میں بہترین پڑوسی اور کمروں کے انتخاب کے آداب

اگر ممکن ہو تو نیک صالح، محنتی، سلیم الطبع، معزز قسم کے ساتھیوں کے ساتھ رہنے یا ان کے قریب رہنے کی کوشش ہو۔ تاکہ یہ ان کے عظیم مقصد کے حصول میں معین و ممد ہوں۔ ضرب المثل مشہور ہے۔

"الجار قبل الدار"

یعنی گھر بنانے سے پہلے پڑوسی کا انتخاب کر۔

"الطباع سراقه" انسانی طبیعت خاموشی سے دوسرے کی طبیعت سے اخلاق

کردار یا بداخلاقی کو اخذ کرتی ہے۔

اس لئے ہم نشینی کے لئے ایسے افراد کو منتخب کرنا چاہئے جن کی صحبت کا اچھا اثر ہو۔ اور رہائش کے لحاظ سے زمینی منزل کے مقابلے میں اوپر کی منزلیں بہتر ہیں بشرطیکہ اوپر نیچے آنا جانا دشوار نہ ہو اور ساتھی اور پڑوسی اچھے ہوں۔ جیسا کہ خطیبؒ کا قول سابق میں گزرا ہے کہ "**ان الغرف اولی بالحفظ**" حفظ کے لئے اوپر کی منزلیں اور کمرے بہتر ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ مدرسہ کے دارالاقامہ میں خوبصورت بچے یا ایسے بچے جن کے ہوشیار سرپرست موجود نہ ہوں نہ رکھے جائیں۔ اور مدرسہ میں ایسے مقامات پر عورتیں نہ ٹھہرائی جائیں جو مردوں کی گزرگاہیں ہوں یا کھڑکیاں وغیرہ ہوں۔

ایک فقیہ اور عالم کے لئے کسی ایسے کمرے میں داخل نہیں ہونا چاہئے جس میں کوئی شر یا دینی لحاظ سے کمزوری ہو۔ اور نہ ایسے لوگوں کو اپنے پاس آنے دے جو ناپسند ہوں اور لوگوں کی باتیں افشاء کرنے کے عادی ہوں یا ایک دوسرے کے خلاف اکسانے والے ہوں۔ یا تضییع اوقات کا باعث ہوں۔

(۸) مدرسہ میں آنے جانے، چڑھنے، اترنے کے آداب

اگر رہائش مدرسہ کی مسجد میں یا کسی بڑے ہال میں ہو جہاں لوگ جمع ہوتے ہوں۔ اور اس کا گذر چٹائیوں اور دونوں کے اوپر سے ہو۔

تو صفائی کا خاص اہتمام کرے۔ جوتے وغیرہ سے گرد وغبار یا گند وغیرہ نیچے نہ گرنے پائے۔ داخل ہونے سے قبل جوتوں کو جھاڑ کر طے کر کے رکھنا چاہئے اور جوتوں کا رخ قبلے کی طرف یا لوگوں کے چہروں کی طرف نہ ہو۔ اور ویسے کھلے نیچے نہ رکھ دے اور لوگوں کے گزرنے کی جگہ پر نہ چھوڑے، بلکہ ان کو یکجا کر کے ایک کونے میں رکھ دے۔

اوپر منزل میں رہنے والوں کا اخلاقی فرض ھیکہ وہاں چلتے وقت آہستہ آہستہ

چلیں ایسے بھاگ دوڑ نہ کریں جس سے نیچے رہنے والے پریشان ہوں اور نہ ہی کوئی بھاری چیز گرائیں جس سے نچلی منزل والوں کو تکلیف پہنچے۔ اوپر سے نیچے آتے وقت اگر دو اکٹھے ہو جائیں اور سیڑھی تنگ ہو تو ادب یہ ہے چھوٹا پہلے اتر جائے اور نیچے سے اوپر جاتے وقت بڑا اوپر جانے میں پہل کرے۔ بعد میں چھوٹا چڑھے۔

(۹) غیر مناسب مقامات پر نہ بیٹھنا

مدرسہ کے دروازے میں بیٹھنا مناسب نہیں ہے، کسی ضرورت کے لئے بیٹھنا ہو تو ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً اٹھنا چاہئے۔ اس طرح تمام گزرگاہوں، اور راستوں میں نہیں بیٹھنا چاہئے۔ خصوصاً گزرنے والے اس کی وجہ سے شرم محسوس کر رہے ہوں یا متہم ہونے کا اندیشہ ہو۔ ایسے مقامات پر بھی نہیں بیٹھنا چاہئے جہاں سے عورتیں گزر رہی ہوں۔

اسی طرح بلا ضرورت مدرسہ کے دروازے سے باہر جانا آنا انتہائی نامناسب ہے۔ حتی الامکان باہر آنے جانے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اور گزرتے وقت دروازے پر موجود لوگوں کو سلام کرنا چاہئے ۔ اور دروازہ بند ہو تو زور سے کھٹکھٹانے سے گریز کرنا چاہئے۔ تین بار آہستہ آواز سے کھٹکھٹانا چاہئے۔

مدرسہ کی دیوار سے ڈھیلہ یا پتھر لے کر استنجاء میں استعمال کرنا انتہائی بے ادبی ہے۔ حتی کہ ہاتھ ناپاک ہوں تو دھوئے بغیر دیواروں کو ہاتھ نہیں لگانا چاہئے۔

(۱۰) دروازے سے یا کھڑکیوں سے باہر یا اندر جھانکنے کے آداب

کسی کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے اندر نہیں جھانکنا چاہئے اگرچہ دروازہ کھلا کیوں نہ ہو۔ اور کھڑکیوں کی طرف اشارہ کرنا بھی نامناسب ہے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ ان میں عورتیں موجود ہوں۔

مدرسہ میں رہتے ہوئے بآواز بلند تکرار یا عام بحث ومباحثے نہیں کرنا چاہئے۔

کیوں کہ اس سے دوسروں کو تشویش ہوتی ہے۔ ممکن ہو تو آہستہ آواز سے بولنا، تکرار کرنا چاہئے، خصوصاً لوگوں کے نماز پڑھتے وقت بطور خاص اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔ دروازہ زور سے کھٹکھٹانے سے پرہیز کرنا، بند اور کھولتے وقت احتیاط کرنا چاہئے۔

نہ اوپر سے نیچے کی طرف نہ نیچے سے اوپر آواز دینا مناسب ہے۔ اگر اس کی شدید ضرورت پڑ جائے تو معتدل آواز سے بلانا مناسب ہے۔ اگر مدرسے اور کمرے کی کھڑکی یا دروازہ سڑک کی طرف کھلتے ہوں تو پورے کپڑے نہیں اتارنا چاہئے حتی کہ بلا ضرورت سر بھی ننگا نہ ہو۔

کھاتے یا پیتے ہوئے چلنا پھرنا بھی انتہائی غیر مناسب ہے۔ فضول مزاح، نازیبا حرکات، اور زور دار قہقہہ لگانا وغیرہ سب آداب مدرسہ کے خلاف ہیں۔

(۱۱) درسگاہ میں حاضری کے آداب

استاذ کی آمد سے پہلے درس گاہ میں حاضر ہونا چاہئے۔ کسی بزرگ کا فرمان ہے:

''استاذ کا ایک ادب یہ ہے کہ ان کا انتظار کیا جائے نہ کہ استاذ طلبہ کا منتظر ہو''

درس گاہ کے آداب میں یہ بھی ہے کہ پاکیزہ لباس اور اچھی ہیئت کے ساتھ آنا چاہئے۔

حضرت شیخ ابو عمرو ابن صلاح (متوفی ۶۴۳) عمامہ کے بغیر آنے والے طلبہ کو درس میں بیٹھنے نہ دیتے، اس طرح ان طلبہ کو سخت تنبیہ فرماتے جن کے گریبان کھلے ہوتے تھے۔

اچھے انداز سے بیٹھ کر استاذ کی بات کو انتہائی غور سے سننا چاہئے۔ استاذ کی اجازت کے بغیر کتاب کی عبارت شروع نہیں کرنا چاہئے اگر استاذ حاضرین کے لئے دعا کرے تو حاضرین پر بھی لازم ہے وہ استاذ کے حق میں دعا کریں۔

بلکہ اہل اللہ اور مشائخ دعا نہ کرنے پر نکیر فرماتے۔ درس میں اونگھنے بات چیت

کرنے، ہنسنے اور فضول حرکات سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔

دوستوں کے درمیان وقفے میں استاذ محترم کی اجازت کے بغیر بات چیت کرنا بے ادبی ہے۔ اس طرح دوران درس بے فائدہ سوال کرنا ادب کے خلاف اور دکھلاوے اور غلبہ پانے کی نیت سے مناظرہ و بحث مباحثہ سے بھی گریز کرنا چاہیے۔ اگر نفس ایسا کرنے پر تیار بھی ہو جائے تو نفس کو قابو رکھے اور صبر و انقیاد سے کام لے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

''من ترک المراء و ھو محق بنی اللّٰہ بیتا فی اعلی الجنۃ'' (ترمذی حدیث نمبر۱۹۹۳)

''جس نے جھگڑا چھوڑ دیا حق پر ہوتے ہوئے اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت کے بالا خانوں میں گھر بنائیں گے۔''

اس لئے کہ انتشار غضب کو توڑنے والا ہے، دلوں میں نفرت پیدا ہونے سے بچاتا ہے۔ تمام حاضرین درس کے لئے لازم ہے کہ وہ ایک دوسرے کے متعلق صاف دل ہوں۔

دل میں کسی کے لئے بغض وحسد پیدا ہونے نہ دے۔ اور اگر کچھ ہو بھی جائے تو درس گاہ سے اٹھنے سے پہلے اس کو صاف کر کے اٹھے۔

اور درس گاہ سے اٹھنے سے پہلے دعا پڑھے جو حدیث شریف میں آئی ہے۔

سبحانک اللھم و بحمدک، ولا الہ الا انت، استغفرک و اتوب الیک فاغفرلی ذنبی، انہ لا یغفر الذنوب الا انت.

الحمد للہ کتاب مکمل ہوگئی۔

الحمد للّٰہ اولا و آخرا و ظاھرا و باطنا و صلی اللّٰہ علی سیدنا محمد و آلہ وسلّم.

﴿آیاتِ قرآنی کی فہرست﴾

﴿أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ﴾

﴿إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَ أُنْثٰى وَ جَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾

﴿إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِىَ صَبْراً..........﴾

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاء﴾

﴿أُوْلٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾

﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِى صُدُورِ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾

﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِن كِتَابِ اللّٰهِ وَ كَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاء فَلاَ تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ﴾

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِىَ رَبَّهُ﴾

﴿شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لاَ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلاَئِكَةُ وَ أُوْلُوا الْعِلْمِ قَآئِماً بِالْقِسْطِ﴾

﴿صَلُّوا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوا تَسْلِيْماً﴾

﴿فَسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ﴾

﴿فَلاَ تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾

﴿فَلاَ تَسْأَلْنِى عَن شَىءٍ حَتَّى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْراً﴾

﴿قُلْ إِن كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُونَ﴾

﴿قُوا أَنْفُسَكُمْ وَ أَهْلِيكُمْ نَاراً﴾

﴿لاَ تَخُونُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَ تَخُونُوا أَمٰنٰتِكُمْ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

﴿لَا يَسْخَرْ قَومٌ مِّن قَوْمٍ عَسَى أَن يَكُونُوا خَيْراً مِّنْهُمْ﴾

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا﴾

﴿لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾

﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

﴿وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾

﴿وَ إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾

﴿وَ كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾

﴿وَ مَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾

﴿احادیث وآثار کی فہرست﴾

إنَّ اللّٰه تعالى و ملائكته و أهلَ السموات والأرض، حتى النملة
إنَّ اللّٰه لا يستحى من الحقِّ، هل على امرأةٍ من الغُسْلِ إذا احتلَمَتْ؟
إنَّ اللّٰه يُحِبُّ الصوتَ الخفيض، و يبغضُ الصوتَ الرفيع
إنَّ أولَ الناس يُقْضَى عليه يومَ القيامة ......
إنَّ الذباب لَيَقَعُ عليه فيؤذينى
إن الشاب ليتحدث بحديث، فأسمع له كأنى لم أسمعه، و لقد سمعته قبل
إنَّ الشيطانَ يجرى من ابنِ آدم مجرى الدم، فَخِفْتُ أن يقذفَ فى قلوبكما
إنَّ العالمَ ليستغفرُله مَنْ فِى السمٰوٰت و مَن فى الأرض حتى الحيتان فى
إنَّ العلماءَ ورثةُ الأنبياء لم يُوَرِّثُوا ديناراً ولا درهماً و إنَّما وَرَّثُوا العلمَ
إن الغرف أولى بالحفظ
إنَّ فضل العالم على العابد كفضل القمرِ ليلةَ البدرِ على سائر الكواكب
إنَّ فى الجَسَدِ مضغة: إذا صَلَحَتْ؛ صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّه، و إذا فَسَدَتْ؛ فَسَدَ
إن لم يكن الفقهاءُ العاملون أولياءَ الله؛ فليسَ للّٰه وليٌّ
إنَّ الملائكةَ لتضَعُ أجنحتَها لطالبِ العلمِ لرضى اللّٰه عنه
إنَّ المُنبَتَّ لا أرضاً قطَعَ ولا ظَهْراً أبقى
إنَّ الناس لكم تَبَعٌ، و إنَّ رجالاً يأتونكم من أقطار الأرضِ يتفقهون فى
أنتم أعلمُ بالحديث منى، فإذا صحَّ عندكم الحديثُ، فقولوا لناحتى آخذبه
إن أكره ذلك
إنى لأسمعُ الحديثَ من الرجل و أنا أعلمُ به منه، فأريهِ من نفسى أنى لا
أوحى اللّٰه إلى داودَ، لا تجعَلْ بينى و بينَك عالماً مفتوناً يصدَّك بشك عن
بابٌ من العلم نتعلمه أحبُّ إلينا من ألفِ ركعة تطوعاً، و بابٌ من العلمِ
بسمِ الله و بالله، حَسْبِىَ اللّٰه، توكَّلْتُ على اللّٰه، ولا حَوْلَ
بلغ العرض
بلغ فى الميعاد الأول، أو لثانى

تَعَلَّموا العلمَ؛فإنَّ تعلمه خشية، و طلبه عبادة و مذاكرته تسبيح
تعلَّموا العلمَ، و تعلموا له السَّكينةَ و الوقار
تفقَّه قبل أن ترأسَ، فإذا رأستَ؛ فلا سبيلَ إلى التفقه
تَفَقَّهوا قبلَ أن تَسُودوا
جمعَ اللّٰه بهذه الكلمات الطب كله
حرامٌ على قلبٍ أن يَدْخُلَه النورُ و فيه شيء مما يكرهُ اللّٰه عزوجل
حُفَّت الجنة بالمكاره
حقٌّ على طلبة العلم بلوغُ غاية جهدهم فى الاستكثار من علمه، والصبر
حقٌّ على العالم أن يتواضعَ للّٰه فى سرِّه و علانيته، و يحترس من نفسه
خمسة يجب على الإنسان ماراتهم (و عدمنهم: العالم ليقتبس من علمه)
خيرُ المواهب العقل، و شرُّ المصائبِ الجهل
رجلٌ تَعَلَّمَ العلمَ وَ عَلَّمَهُ، و قرأ القرآنَ، فأُتِيَ به، فعرَّفه نِعَمَه، فَعرَفها
رحمَ اللّٰه نساءَ الأنصار، لم يكن الحياءُ يمنعهن أن يتفقَّهْنَ فى الدين الرعاية
سالتُ الشافعي عن المتعة؛ أكان فيها طلاق أو ميراث أو نفقةٌ تجب
سبحانک اللّٰهمَّ و بحمدِک، لا إله إلا أنت، أستغفرُک و أتوبُ إليک
سُبْحانَکَ اللّٰهمَّ و بِحمدِکَ، ولا إلهَ إلا أنْتَ، أستغفرُکَ و أتوبُ إليک
طلبُ المرأة المضلَّةِ ولدَها وليس لها غيرُه
طَلَبْنا العلمَ لغيرِ اللّٰه، فأبى أن يكونَ إلاَّ للّٰه
عالم معلم يُدعى كثيراً فى ملكوتِ السماء
على رسلكما! إنَّها صفية
العلماءُ فوق المؤمنين درجة، ما بين الدرجتين مئةُ عام
العلماءُ فى الأرض مثلُ النجوم فى السماء؛ إذا بَدَتْ للناس؛
العلماءُ ورثةُ الأنبياء
العلماءُ وَرثَةُ الأنبياء

العلماءُ یوم القیامة علی منابِرَ من نورٍ

فضلُ العالم علی العابد کفضلی علی أدناکم

فلیحذر منه؛ فإن ضرره أکثر من النفع به

قیل لسفیان بن عیینة: إن قوماً یأتونک من أقطار الأرض تغضب

کان أبو حَنیفةَ أکرم الناس مجالسةً، و أشدَهم إکراماً لأصحابه

کان رسول اللّٰه! یُکَنی أصحابه إکراما لهم

کان الشافعی إذا ناظره إنسان فی مسألة، فعدا إلی غیرها؛ یقول نفرغ من

کان الشافعی یأمر بذلک، و یقول: اصبر للغرباء و غیرهم من التلامیذ

کان یجلس فی طلب العلم علی باب زید بن ثابت حتی یستیقظ،

کفی بالعلم شرفاً أن یدعیه من لا یحسنه و یفرح به إذا نسب إلیه

کنت إذا سمعت من الرجل الحدیث؛ کنت له عبداً ما یحی

کنت أصفح الورقة بین یدی مالک صفحاً رفیقاً؛ هیبة له؛

کنت قد أُتیتُ فَهْمَ القرآنِ، فلما قَبِلْتُ الصُّرَّةَ من أبی جعفرٍ؛ سُلِبْتُهُ

(لا أدری) نصفُ العلم

لا اقعدُ إلا بین یدیک؛ أمرنا أن نتواضع لمن نتعلم منه

لا؛ ولکن العلم أجل عند اللّٰه من أن أضیعه

لا یبلغُ أحدٌ من هذا العلم ما یرید حتی یُضِرَّبه الفقرُ و یؤثره علی کل

لا یتعلمِ العلمَ مُسْتَحْيٍ ولا مُسْتکبر

لا یُستطاعُ العلمُ براحةِ الجسمِ

لا یصلحُ طلبُ العلم؛ إلا لمفلس

لا یضیُّ الکتابُ حتی یظلمَ

لا یطلبُ أحدٌ هذَا العلمَ بالملک و عز النفس فیفلح،

لا یفقَهُ هؤلاء أبداً

لا یُنالُ العلمُ إلا بالتواضُعِ و إلقاء السمع

لا يَنالُ هذا العلم؛ إلا مَنْ عَطَّل، دكانَهُ، و خرَّبَ بستانه، و هَجَرَ إخوانَه،

لم أرَ الشافعيَّ آكلا بنهارٍ ولا نائما بليل؛ لا شتغاله بالتصنيف

لم يُعطَ أحدٌ في الدنيا شيئاً أفضلَ من النبوة، وما بعد النبوة شيءٌ

لو أُوصي إلى أعقلِ الناس؛ صُرِفَ إلى الزُّهَادِ

لو كانت الدنيا تبرايفنى لآخرةُ خَزَفاً يبقى؛ لكان ينبغى

لو كلفتُ شراءَ بصلةٍ؛ لما فهمتُ مسألة

ليسَ بعد الفرائض أفضلُ من طلب العلم

ليس شيءٌ أعزَّ من العلم، الملوكُ حُكامٌ على الناس، والعلماءُ حُكَّامٌ على

ليس العلمُ ما حُفِظ، العلمُ ما نَفَعَ

ليسَ العلمُ ما حُفظَ، العلمُ ما نَفَعَ

لِينُوا لِمَنْ تعلَمُون و لِمَنْ تتعلَّمون منه

ماسمعت أبي يناظر أحداً قَطُّ فرفعَ صوتَه

ما سمعت من أحد شيئاً، إلا واختلفت إليه أكثر مما سمعتُ منه

ما شَبِعْتُ منذستَّ عشرة سنة

ما عا لجتُ شيئاً أشدَّ عليَّ مِن نيتي

ما عبُد اللّٰه بشيء أفضلَ من فقه في دين، و لفقيه واحدٌ أشدُّ على الشيطان

ما عُبِدَ اللّٰه بمثلِ الفقه

ما ملأ ابنُ آدمَ وعاءً شرّاً من بطنه، بحسبِ ابنِ آدمَ لَقيماتٌ يُقمْنَ صُلْبَهُ

المتشبعُ بما لم يُعْطَ؛ كلابسِ ثوبَى زُورٍ

مثل الذى يغضب على العالم مثل الذى يغضب على أساطين الجامع

مجلس فقه خيرٌ من عبادةِ ستين سنة

من أحب العلم و العلماء؛ لم تكتب عليه خطيئة أيام حياته

من الأدب أن لا يشاركَ الرجلَ في حديثه، و إن كان أعلمَ به منه

من الأدب مع المدرس أن ينتظره الفقهاء ولا ينتظرهم

مَنْ أراد النظرَ إلى مجالس الأنبياء؛ فلينظرُ إلى مجالس العلماء؛ فاعرِفوا لهم

من أعظمِ البلية تَشَيُّخ الصحيفة

مَنْ أكرمَ عالما؛ فكأنَّما أكرمَ سبعين نبيا، وَ مَنْ أكرمَ سبعين شهيداً

من ترك المراء و هو محق؛ بنى اللّٰه له بيتاً في أعلى الجنة

من تزوَّجَ؛ فقد رَكِبَ البحرَ، فإن ولد له ولدٌ فقد كسر به

مَنْ تصدَّرَ قبلَ أوانِه؛ فقد تصدَّى لهوانه

مَنْ تعلَّمَ علماً لغير اللّٰه، أو أرادبه غير وجه اللّٰه؛ فليتبوَّأْ مقعدَه من النار

مَنْ تعلَّمَ علماً مما يُبتغى به وجهُ اللّٰه تعالى لا يتعلَّمُه إلا لِيُصيبَ به

من تفقَّهَ من بطون الكتب؛ ضَيَّعَ الأحكام

مَنْ تواضعَ اللّٰه؛ وَرَّثَه اللّٰه الحكمةَ

من حقِّ العالمِ عليك أن تسلمَ على القوم عامةً، و تخصه بالتحية،

من رَقَّ وجهُه؛ رَقَّ علمُه

من رق وجهه عند السؤال؛ ظهر نقصه عند اجتماع الرجال

مَنْ سلَكَ طريقاً يطلبُ فيه علماً سلكَ به طريقاً من طرق الجنةِ

من سمَّعَ سمَّعَ اللّٰه به، و من رأى؛ راءَى اللّٰه به

مَنْ صلَّى خلفَ عالمٍ؛ فكأنما صَلَّى خلف نبي، و من صَلَّى خلفَ نبي

مَنْ طلبَ الحديث لغيرِ اللّٰه تعالى؛ مَكَرَ به

مَنْ طلبَ الرياسةَ في غيرِ حينه؛ لم يَزَلْ في ذل ما بَقِيَ

مَنْ طلبَ العلمَ؛ لِيُماري به السفهاءَ، أو يُكاثِرَ به العلماءَ

مَنْ عظَّم العالِمَ؛ فكأنَّما يُعَظمُ اللّٰه تعالى، و مَنْ تهاونَ بالعالم؛ فإنَّما ذلك

من قال لشيخه: لم؟ لم يفلح أبداً

من قرأ القرآن في كل سبعة أيام؛ لم يَنْسَه قَط

من لم يصبرُ على ذُل التعليمِ؛ بقيَ عمره في عمايةِ الجهالةِ

من نظرَ في الحديث؛ قَوِيَت حجتُه

مَنْ يتصدَّقُ على هذا؟

مَنْ يُرِدِ اللّٰه به خيراً يفقهْهُ فى الدين

منزلةُ الجهلِ بين الحياء والأنفة

هذا خط من لا يوقن بالخلف من اللّٰه تعالى

هكذا أُمِرنا أن نفعل بعلمائنا

هَوانٌ بالعلمِ ان يحمل العالم الى بيت المتعلم و اجود اماكن الحفظ الغرف، و كل موضع بعيد عن الملهيات

و أفضلُ المذاكرةِ مذاكرة الليل، و كان جماعة من السلف يبدؤون

واللّٰه، ما اجترأت أن أشرب الماء و الشافعي ينظر إلىَّ هيبة له

و حفظُ الليل أنفعُ من حفظ النهار، ووقت الجوع أنفع من وقت الشبع

وَدِدْتُ أنَّ الخلقَ تعلَّمُوا هذا العلمَ على أن لا ينسب إلىَّ حرفٌ منه ولا الغنى المكفى

ولا يكون القلم صلباً جداً فيمنع سرعة الرى، ولا رخواً فيسرع إليه الجفا

و ليس بمحمودِ الحفظ بحضرة النبات، و الحضرة، والأنهار، و قوارع

و يستحبُّ للطالبِ أن يكونَ عزباً ما أمكنه؛ لئلا يقطعه الاشتغال بحقوق

يا أخا ثقيف! إنَّ الأنصاريَّ قد سبقک بالمسألةِ؛ فاجلس كيما نبدأ بحاجةِ

يا قومُ! أريدوا بعلمِكم اللّٰه تعالى؛ فإنّى لم أجلس مجلساً أنوى فيه

يتشعَّبُ من العلم: الشرفُ و إن كان صاحبه دنيا، والعزُّ و إن كان مَهِيناً، يجب أن لا يقرأ حتى يأذن له الشيخ

يحملُ هذا العلمَ من كُلِّ خَلفٍ عُدولُه، ينفون عنه تحريف الغالين و اتنحال

يستحبّب للسابق أن يقدم على نفسه من كان غريباً؛ لتأكد حرمته،

يستعانُ على الفقهِ بجمع ادم، و يستعان على حذف العلائق بأخذ اليسير

يَشفَعُ يوم القيامة ثلاثة: الانبياءُ، ثم العلماءُ، ثم الشهداءُ

ينشر المصلح بنحاتة الساج أو غيره من الخشب، و ينفى التريب

يوزَنُ يومَ القيامةِ مِدادُ العلماء و دمُ الشهداء